دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کا علمی و دینی مجلّہ
ماہنامہ
الحق
زیر سرپرستی
شیخ الحدیث حضرۃ مولانا عبدالحق بانی و مہتمم دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پشاور
مغربی پاکستان

لہ دعوۃ الحق
قرآن وسنت کی تعلیمات کا علمبردار

جلد نمبر : ۵
شمارہ نمبر : ۱

رجب المرجب ۱۳۸۹ھ
اکتوبر ۱۹۶۹ء

مدیر ——— سمیع الحق

اس شمارے میں

★

بدل اشتراک

مغربی اور مشرقی پاکستان سے سالانہ چندہ ۔/۸ روپے۔ فی پرچہ ۷۰ پیسے
غیر ممالک بحری ڈاک ایک پونڈ ، ہوائی ڈاک دو پونڈ

سمیع الحق استاد دارالعلوم حقانیہ طابع و ناشر نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ آغاز

رباط میں ۲۶ مسلمان سربراہوں کی کانفرنس منعقد ہوئی مگر صدیوں بعد ایک خواب شرمندۂ تعبیر ہوتے ہوتے رہ گیا۔ عالم اسلام کی نگاہیں اس پر لگی ہوئی تھیں اور سنہری امیدوں کے پل باندھے جا رہے تھے ہم مغرب اقصیٰ کے دارالحکومت رباط کے اس اجتماع کو ایک لحاظ سے فال نیک سمجھتے تھے کہ رباط کے مفہوم میں اسلامی سرحدات کی حفاظت، دشمنان اسلام کی سرکوبی، اور جہاد کا تصور شامل ہے، کیا عجب کہ مؤمنانہ جرأت اور اخلاص و قربانی سے بھرپور فیصلوں کی وجہ سے نام کا یہ اشتراک، واقعی معنوں میں جہاد اور رباط فی سبیل اللہ اور مسلمانوں کے باہمی ارتباط و تعلق کا موجب بن جاتا، کانفرنس کی کی جو تفصیلات اب تک سامنے آئی ہیں، حقیقت کو سیاسی تدبر اور فراست کے گھمنڈ میں دفن کرنے والے خوش فہمیوں کی کیا کیا عمارت کھڑی کریں مگر ہم جیسے "سطحی اور جذباتی ذہن" والے تو اس بارہ میں کلی مایوس ہو گئے ہیں، ہو سکتا ہے کہ در پردہ کچھ ٹھوس اقدامات اور فیصلے طے پائے ہوں، اگر ایسا ہو تو یہ کانفرنس اسلام کی نشاۃ ثانیہ کیلئے سنگ میل ثابت ہو سکتی ہے، لیکن اگر اس ساری مجلس آرائی کا مقصد صرف چار بڑی طاقتوں سے ارض مقدس کے انخلاء کی اپیل کرنا تھا اور بس، تو ہم اسے نہ صرف ناکام کہیں گے بلکہ اسے سقوط بیت المقدس کے بعد عالم اسلام کا سب سے بڑا المیہ قرار دیں گے۔

اپنی تاریخ پر نظر ڈالیے عالم اسلام کا وہ کونسا مسئلہ ہے جو لچھے دار تقریروں اور الفاظ کے گورکھ دھندوں سے حل ہوا اور کونسی مصیبت ہے جو دشمن اور اس کے حریف کافر طاقتوں سے منت سماجت کی اپیلوں سے ٹل گئی ہو۔ کفر جو سارے کا سارا ملت واحدہ ہے طاقت اور عمل کی زبان سمجھتا ہے۔ مگر اُسے معلوم ہو چکا ہے کہ مسلمان اور ان کے قائد اور حکمران صرف قوال ہیں، ان کے ضمیر اور دل و دماغ ان کے نظریاتی اور عملی قوی کو یورپ کی ذہنی اور سیاسی غلامی نے مفلوج کر کے رکھ دیا ہے۔ اسلام، ایمان اور جہاد کے جذبہ سے سوچنے والے سوتے خشک ہو گئے ہیں ان کے بازو شل ہیں وہ صرف زبان سے تلوار کا کام لینا چاہتے ہیں، ان کے ہاتھ اٹھ سکتے ہیں تو صرف روس اور امریکہ سے بھیک مانگنے کیلئے، ان کا دماغ اگر سوچتا ہے تو سلامتی کونسل، اور اقوام متحدہ کے زاویہ نظر سے،

دنیا کی محبت اور موت کی نفرت نے ستر کروڑ مسلمانوں کے اس جم غفیر کو ارشاد نبوی غثاءٌ کغثاء السیل (سیلاب کی جھاگ) کا مصداق بنا دیا ہے۔ ان کے یہ شاہانہ کروفر والے سلاطین اور بادشاہ، طمطراق والے حکام اور صدر، میدان سیاست کے شاطر وزراء اور بھاری بھرکم مندوبین کفر کے مقابلہ میں کھوکھلے ڈھول ہیں، جن کی قلعی اب رباط کانفرنس نے کھول دی ہے، انہوں نے اپیل کی تو تلوار سے نہیں۔ کفر والحاد کے چار بڑے سربراہوں سے اور باہمی امور کو طے کرنے کا اعلان کیا تو کتاب و سنت کی روشنی میں نہیں، بلکہ اقوام متحدہ کے منشور کے تحت، اور اسطرح ان سب کے ہاتھوں رباط کے چوراہے پر عالم اسلام کی عظمت کا بانڈہ پھوٹ گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

رباط کے حسین ترین ہوٹل میں ستر کروڑ مسلمانوں کی قسمت کے مالک جمع تھے، ادھر اسرائیل عین اسی موقع پر اسلامی ممالک کی سرحدات پر اپنی جارحانہ کارروائی تیز کر کے ان کی غیرت کو للکار رہا تھا۔ اور بالکل اسی موقع پر بھارت کی برہمن صیہونیت کے ہاتھوں احمد آباد کی گلیاں اور چوراہے مظلوم اور بے کس مسلمانوں کے معصوم خون سے لالہ زار بن رہی تھیں، اس خون کی فراوانی بلاشبہ ان رنگین مشروبات سے ہزار گنا زیادہ تھی جو رباط کے راؤنڈ ٹیبل پر گردش کرنے والے جام وسبو میں چھلک رہے تھے۔ ان رنگینیوں میں مدہوش سربراہان عالم اسلام کو خون مسلم کی قدر و قیمت کا کیا احساس ہے

تو داغ جگر را چہ شناسی کہ نہ بودست — جز از نشئہ گلرنگ بہ داماں تو داغے

اسرائیل کے سانحہ سے ہماری غیرت بیدار نہ ہوئی، مسجد اقصیٰ کی آگ سے ہماری قساوت نہ پگھل سکی تو قدرت کے غیبی ہاتھ نے ہمیں ایک بلکہ یہ یک بہ یک ایک اور بھرپور اجتماعی تازیانہ احمد آباد کی شکل میں لگایا، ادھر ذلیل یہودیوں کی طنز و تشنیع سے بھرپور نشتروں کے ذریعہ ہماری رگ حمیت بھڑکانی چاہی۔ پھر کیا ہم نے باطل سے پنجہ آزمائی کا فیصلہ کیا۔ کفر سے جہاد کرنے کا اعلان کیا، ظالم اسرائیل کے پشتبانوں کو للکارا، ان سے سفارتی اور مادی تعلقات توڑنے کا فیصلہ کیا، ان کی کفن کش اقوام متحدہ سے نکل کر اپنی ایک اقوام متحدہ بنانے کا سوچا یا پھر سخت سے سخت الفاظ میں مذمت کی قرارداد پاس کی ---؟ یہ سب کچھ نہ ہوا نہ جذبۂ جہاد بیدار ہوا نہ ہم علاقائی مصالح اور سیاسی مفادات سے دست برداری پر آمادہ ہوئے --- تو کیا صرف ایک اپیل ہی ہماری تمام رسوائیوں کا مداوا بن سکے گا، ہرگز نہیں --- یاد رکھئے لٹی ہوئی عزت، عصمت اور عظمت رفتہ بھیک سے

کبھی بھی واپس نہیں ہو سکی۔ اس کے لئے تو ایمان اور ملی حمیّت سے بھرپور اور مفادات یا خطرات سے بالاتر ہو کر ایک آخری فیصلہ کی ضرورت تھی۔ اگر رباط میں یہ فیصلہ ہو جاتا تو ہماری قسمت بدل جاتی مگر واحسرتا کہ تمہاری قسمت صرف واویلا اور غوغہ آرائی رہ گئی ہے۔ تم کبھی فلسطین پر ماتم کرتے ہو تو کبھی کشمیر کی مرثیہ گوئی کبھی مسجد اقصیٰ کی آگ میں جل رہے ہو تو کبھی احمد آباد کے طوفان خاک وخون میں تڑپ تڑپ کر مر رہے ہو۔ حیف صد حیف اس قوم پر جو فیصلہ کن اور بھرپور عمل سے عاری ہو کر نری نوحہ خوانوں کا ایک ٹولہ بن کر رہ جائے۔ رباط کے سربراہو! وہ دیکھو فلسطین کے لٹے پٹے مسلمان اور احمد آباد کے آگ اور خون میں جلنے والے تمہارے مظلوم بھائی غازی صلاح الدین ایوبیؒ کی آواز میں یک زبان ہو کر تمہیں طعنہ دے رہے ہیں۔" کہ ہمیں آپ کی زوردار تقریروں اور پُرجوش الفاظ کی نہیں فولادی بازو اور اسلحے کی ضرورت ہے"۔ یہ سطور پڑھ کر یاس و قنوط کا الزام دھرنے والو بیشک تم اب کسی دوسری رباط کانفرنس کا انتظار کرو مجھے تو صرف امام مہدی کا انتظار ہے کہ شقاوت اور بدبختی کا یہ مہراب صرف اس مردِ مومن کے آہنی ہاتھوں سے ٹوٹ سکتا ہے۔

یا یحییٰ خذ الکتاب بقوۃ ——— ہمارے محترم صدر مملکت جناب آغا محمد یحییٰ خان صاحب بار بار اسلامی اقدار اور اسلامی تعلیمات کی ضرورت اور اہمیت پر زور دے چکے ہیں کہ اسی میں ملک کی بقاء اور اسی میں قوم کا تحفظ ہے مگر تعجب ہے کہ اس بارہ میں جس عملی اقدام اور انقلاب آفرین جوش عمل کی ضرورت ہے اس سے اب تک اعراض برتا گیا ہے۔ اور دینی و اخلاقی پہلو سے ملک اسی ڈگر پر چل رہا ہے جو عہد ایوب کے دور عیوب کا طغرائے امتیاز رہا، بے پردگی، فحاشی زوروں پر ہے اسلامی تعلیمات سے بُعد بڑھتا جا رہا ہے۔ کلچر اور ثقافت کے نام پر سب کچھ زور شور سے جاری ہے۔ جمہوریت اور سیاست کے پردہ میں نظریۂ پاکستان (اسلام) کی جڑیں کاٹی جا رہی ہیں ——— "تجدید و احیائے دین" کا علمبردار ادارہ (ادارۂ تحقیقات) اور اس کا ترجمان فکر و نظر الحاد و تحریف کے فروغ میں مصروف ہے، اس کا ایڈیٹر تجدّد کے نام پر قدامت کے ایک ایک نشان علماء، ان کے مدارس عربیہ اور ان کے نصاب و نظام تعلیم مٹانے کی دعوت دے رہا ہے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ ملعون توانین ابھی تک قوم پر مسلّط ہیں جو صدر ایوب نے بار بار رائے عامہ کو ٹھکرا کر فیملی لاز آرڈیننس کے نام سے ایک غیور و جسور مسلم قوم پر تھوپ دئے ہیں۔ ان قوانین میں مسلمانوں کے پرسنل لاز نکاح، طلاق، عدت اور میراث کو منسوخ یا تبدیل کیا گیا ہے، اور اسطرح قرآن و سنت

کا مذاق اڑایا گیا ہے، صدر یحییٰ خان صاحب کے دل میں ملک و ملت کی بھلائی اور دینی اقدار کے تحفظ کا جذبہ موجزن ہے۔ تو چاہیئے کہ اولین فرصت میں ایک آرڈیننس کے ذریعہ ان قوانین کو واپس لے لیا جائے جسے نہ تو عوام کے نمائندہ کسی اسمبلی نے تسلیم کیا نہ خواصِ امت علماء اسلام نے، پھر کیا وجہ ہے کہ عہد ایوبی کے آئین کے منسوخ ہونے کے باوجود یہ غیر اسلامی قوانین نافذ العمل رہیں، ہمارا ایمان ہے کہ کتاب و سنت میں مداخلت اور ان میں تحریف کا لازمی نتیجہ خدا کے عذاب کو دعوت دینا ہے، اور جب سے ان قوانین کا منحوس سایہ ملک پر پڑا ہے اسی دن سے یہ ملک خدا کی دی ہوئی نعمتِ طمانیت سے محروم ہو چکا ہے اور اگر ناگوار خاطر نہ ہو تو بہ صد ادب و خیر خواہی یہ بھی گذارش کریں کہ اگر واقعی اس ملک کی حقیقی فلاح، سلامتی اور پائدار امن مطلوب ہے تو جلد از جلد عملی شکل میں کتاب و سنت کی فرمانروائی کی کوئی صورت پیدا کی جائے، اس بارہ میں ۲۲ سال سے ہمارے حکمرانوں کا جو طرزِ عمل رہا ہے اسی نے یہاں سوشلزم اور دیگر لادینی نظریات کے لئے میدان تیار کیا ہے، یہاں تک کہ محض کھوکھلے اسلام کے نعروں کو اب عوام ایک پُر فریب سنہری جال قرار دینے لگے ہیں، اسطرح ہماری غفلت، ایفائے عہد سے گریز اور مومنانہ قوتِ فیصلہ کی کمی کی وجہ سے دین کی استخفاف کی ایک صورت پیدا ہو گئی ہے جس کا وبال ہم سب پر پڑے گا۔ اگر ہم سچے دل سے اسلام کو ایک دفعہ بھی یہاں قوتِ حاکمہ بن جانے کا موقع نہیں دیتے تو یاد رکھیں کہ ہماری مشکلات نہ تو انتخابات سے حل ہو سکتی ہیں اور نہ سوشلزم یا یورپ سے برآمد کردہ لادینی جمہوری نظام سے صدر صاحب کو خداوند کریم نے گیارہ کروڑ مسلمان بندوں کی عنانِ اقتدار سونپ دی ہے، اب ان کی مرضی ہے کہ اس سنہری موقع کو غفلت کی نذر کریں یا اپنے آپ کو اس ارشاد کا مخاطب قرار دیں کہ — یا یحییٰ خذ الکتاب بقوۃ۔ اے یحییٰ اللہ کے دین اور اسکی کتاب کو مضبوطی سے تھام لے۔

ہمارا سرکاری نظامِ تعلیم اور جدید تعلیمیافتہ طبقہ دین اور اسلامی علوم سے کتنی تیزی سے دور ہوتا جا رہا ہے، اس کا کچھ اندازہ ذیل کے ایک جائزہ سے لگائیے جو ایک ثقہ اور فاضل شخص کا فراہم کیا ہوا ہے۔ اور پھر اس کے ساتھ یہ بھی نگاہ میں رکھئے کہ ہمارے فکری اور معاشرتی انتشار اور عدم استحکام کے ایک اہم بنیادی سبب نئے پود کی عصری تعلیم گاہوں میں مذہب اسلامی زبان عربی اور اسلامیات سے بے بہرہ ہونا ہے، اس وقت ساری ذمہ داری طبقاتی تفاوت اور معاشی عدم توازن پر ڈالی جا رہی ہے۔ مگر اس ساری بے چینی اور اضطراب کو فقط معدہ اور پیٹ کے پیمانے سے ناپنا اور ملک

کی دیگر تمام تعلیمی اخلاقی اور معاشرتی اقدار کے زوال اور اس کے محرکات سے صرف نظر کرنا کہاں کی عقلمندی ہے ۔ عربی ہماری اسلامی اقدار اور تعلیمات کی ترجمان ہے اس کے ساتھ حکومت کی بے اعتنائی اور ہماری بے حسی کا نتیجہ کیا ظاہر ہوا ۔ اس کا جواب اعداد و شمار کی زبان سے سنئیے :

۱۹۵۳ء میں ۳۶۵۵۰ طلباء و طالبات نے میٹرک کا امتحان دیا ان میں عربی پڑھنے والے ۵۳۴۰ تھے ، پانچ سال بعد ۱۹۵۸ء میں ۵۰۲۷۰ طلباء و طالبات نے میٹرک کا امتحان دیا ان میں عربی پڑھنے والے ۴۲۱۷ رہ گئے ، دس سال بعد ۱۹۶۳ء میں ۵۰۲۷۰ طلباء و طالبات نے میٹرک کا امتحان دیا ان میں عربی پڑھنے والے ۳۲۴۸ رہ گئے ، پندرہ سال بعد ۱۹۶۷ء میں ۹۹۷۶ طلباء و طالبات نے میٹرک کا امتحان دیا ان میں عربی پڑھنے والے ۴۹۹۲ تھے ۔

گویا ۱۹۵۳ء میں میٹرک میں عربی پڑھنے والوں کا تناسب ساڑھے چودہ فی صد تھا ، لیکن پندرہ سال بعد جبکہ طلباء کی مجموعی تعداد میں ۱۷۳ فیصد اضافہ ہو گیا ۔ عربی خواں طلباء و طالبات کا تناسب پانچ فیصد سے بھی کم ہو گیا ۔ یعنی طلباء کی تعداد ساڑھے چھتیس ہزار سے ایک لاکھ ہو گئی مگر عربی خواں ۵۳۴۰ سے گھٹ کر ۴۹۹۲ رہ گئے ۔ ۱۹۵۳ء میں ایف اے میں پرانے نصاب کے اندر بارہ ہزار آٹھ سو اڑتالیس طلباء شریک امتحان ہوئے ، ان میں ۱۱۱۵ عربی خواں تھے پندرہ سال بعد طلباء کی تعداد پچپن ہزار سات سو ستاسی ہو گئی ۔ اور عربی خواں طلباء کی تعداد ۱۱۱۹ ، گویا پندرہ سال میں طلباء کی تعداد میں ۳۳۳ فی صد اضافہ ہوا ۔ لیکن عربی خواں طلباء و طالبات ۸٪ فیصد سے گھٹ کر صرف دو فیصد رہ گئے ــــ اسی سے بی اے ، ایم اے کلاسز میں عربی کو تدریس کا اندازہ کر لیجئے ۔

یہی حال اسلامیات کا ہے میٹرک تک اسے لازمی قرار دینے کے باوجود اب تک اس کے لئے کوئی مستقل اور قابل افادیت کتاب مرتب نہیں کرائی گئی ۔ ایف اے میں اسلامیات محض اختیاری مضمون ہے وہ بھی صرف آرٹس کے طلباء کے لئے موجودہ قوانین کی رو سے مغربی پاکستان میں ایف ایس سی کا کوئی طالب العلم عربی کسی صورت میں نہیں لے سکتا ۔ بی اے کے لئے کراچی اور حیدر آباد یونیورسٹی میں اسلامی تعلیم کا ایک پرچہ لازمی ہے ، لیکن پشاور اور پنجاب یونیورسٹیوں میں نہیں ۔ فنی اور پیشہ ورانہ اداروں میں یعنی مغربی پاکستان کے کسی میڈیکل کالج ، لاء کالج ، کامرس کالج ، انجینئرنگ کالج میں اسلامیات کے نام کی کوئی چیز شامل نصاب نہیں ، جبکہ ان فنی (TECHNICAL) اور پیشہ ورانہ (PROFESSIONAL) اداروں کی تعداد مغربی پاکستان میں ۸۵ فیصد ہے ۔ گویا ہمارے وکلاء ڈاکٹروں اور انجینئروں کو دینی تعلیم سے بے بہرہ رکھنا سرکاری پالیسی ہے ۔

مجوزہ نئی تعلیمی پالیسی سے کچھ امید بندھ گئی تھی کہ عصری درسگاہوں میں زیرِ تعلیم ہماری افرادی قوت کچھ تو دین اخلاق اور تہذیب و شرافت سے آراستہ ہو جائے گی اور شاید اسطرح قوم کی ڈوبتی نیا کچھ سنبھل جائے مگر تازہ اخباری خبروں نے ان امیدوں پر بھی پانی پھیر دیا جن کہا گیا ہے کہ حکومت نئی تعلیمی پالیسی کو غیر حقیقت پسندانہ اور ناقابلِ برداشت اخراجات کی وجہ سے واپس لے رہی ہے۔ سوال یہ ہے کہ ایسے حالات میں دین اور دینی علوم کے تحفظ اور اعلیٰ انسانی اقدار کے فروغ و اشاعت کی صورت کیا ہو گی ۔؟ ان حالات میں دینی علوم کا تحفظ جو کچھ بھی ہو رہا ہے وہ آزاد عربی مدارس دینیہ ہی کا مرہون منت ہے جو الحاد اور تجدد کے علمبرداروں کی نگاہوں میں کھٹکتے رہتے ہیں ، اور کروڑوں افراد کی دنیٰ و عصری علوم کیلئے تگ و دو کرنے کے باوجود مدارسِ عربیہ کے طلبہ کی قلیل تعداد کا اپنی زندگی کو دین اور محض علوم دین کیلئے وقف کرنا ان کے لئے ناقابلِ برداشت مسئلہ بن گیا ہے اور کہا جا رہا ہے کہ ان مدارس کی بساط لپیٹ دو ، ان کی آزاد تعلیمی روح کو بھی کسی طرح سلب کر لو ، انہیں امداد اور گرانٹ کے دامِ زریں میں پھنسالو ، ان کے آزاد اور ترجمانِ حق ضمیروں میں بھاری تنخواہوں کے تالے لگادو، انہیں اوقاف کے شکنجے میں کس دو تاکہ رہی سہی جو صورت دین کی اشاعت کی رہ گئی ہے وہ بھی ختم ہو جائے ۔ سوال یہ ہے کہ جب انگریزی اردو سائنس ریاضی جغرافیہ اور ٹیکنیکل علوم کے لئے مخصوص افراد مخصوص مزاج اور مخصوص تربیت کی ضرورت ہے تو اسلامی علوم وفنون کو اس کلیہ سے کیوں خارج کیا جا رہا ہے۔ تمہیں ان چند گنے چنے مدارس عربیہ کے بوریہ نشینوں کی فکرِ معاش نڈھال کئے جا رہی ہے ، مگر کیا آپ نے ملک کی عصری تعلیم گاہوں میں زیرِ تعلیم نوجوانوں کے دین اور علوم دینیہ سے دن بدن اعراض و اجتناب کا بھی کچھ مداوا سوچا ہے : فاعتبروا یا اولی الابصار۔

ہم سوشلزم اور اشتراکیت پر ہزار بار لعنت بھیجتے ہیں ، مگر کیا یورپ کا وہ ظالمانہ سرمایہ داری نظام کسی ایک لمحہ کیلئے بھی گوارا کیا جا سکتا ہے جس کی وجہ سے معاشرہ کے چند افراد کی مترفانہ شاہ خرچیوں کے سامنے تو قرونِ مظلمہ کی الف لیلوی داستان بھی ماند پڑ جائے ، مگر انسانوں کی اکثریت نانِ جویں کے لئے ترستی رہے۔ پڑھیئے اور اندازہ لگائیے : " یونان کے ارب پتی اناسس اور ان کی نو بیاہتا بیوی جیکولین نے گزشتہ سال اپنی شادی سے آج تک سات کروڑ سے دس کروڑ تک روپے خرچ کئے ۔ امریکی اخبارات نے اپنے اس انکشاف میں لکھا ہے ، کہ اناسس کی رہائش گاہوں کی تعداد ۹ ہے ۔ ان میں مونٹے کارلو ، پیرس ، مونٹے ویڈوٹا ، یونان ، نیویارک کی رہائش گاہ اور

ہوٹلوں کے مستقل کمرے، جہاز کرلیتا اور یونانی جزیرہ اسکورپس شامل ہیں۔ یہ جوڑا ۱۶ لاکھ روپیہ فی ہفتہ کس طرح خرچ کر رہا ہے، اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے۔ کہ امریکی خاتون جیکولین نے گلاتی مادا کے مکان کی جدید آرائش پر ۵۰ لاکھ تک روپیہ خرچ کر دیا۔ کاش! مسلمان خلفاء و سلاطین کے محلاتی افسانوں اور عرب شیوخ کے حرم سراؤں کے دردن خانہ افسانوں کو گھڑنے اور بڑھا چڑھا کر پیش کرنے والا اغیار یورپ اپنی ایک فاحشہ خاتون کی اس بیرون خانہ پر عیش زندگی سے بھی کچھ عبرت لے۔ اسراف و تبذیر کی یہ ایک ادنیٰ جھلک امریکہ کی خاتونِ اوّل کی ہے جہاں کا سب سے بڑا مسئلہ اب بھی وہاں کے ذمہ دار اخبار ٹائم کے نزدیک افلاس اور عزبت ہے۔" ——— مسلمان تو کیا دنیا کی ساری اقوام نے ملکر بھی خرمستی اور طبقاتی تفاوت کا اتنا سیاہ مظاہرہ نہ کیا ہوگا۔ یہ سہرا بھی اسی امریکہ کے سر ہے، جو آج انسان کے بنیادی حقوق کا سب سے بڑا دعویدار بن کر انسانی لاشوں پر دندناتا پھر رہا ہے۔

یہ تو معاشی عدم توازن کی ایک مثال تھی، اخلاق اور انسانی اقدار کی پائمالی جس بے دردی سے ہو رہی ہے، اس کی کچھ جھلک وہاں کے جنسی اور اخلاقی جرائم کے بڑھتے ہوئے اعداد و شمار سے دیکھی جا سکتی ہے، یورپ خلاؤں میں جتنا بڑھتا جا رہا ہے، اتنا ہی اخلاق اور انسانیت کے لحاظ سے قعرِ ذلت میں گرتا جا رہا ہے۔ اُسے کون سمجھائے کہ انسانی کرامت و شرافت کا معیار تسخیر ماہتاب نہیں بلکہ تسخیر نفس ہے۔

پچھلے کئی ماہ سے بھارت جانے والے مطبوعات رسائل اور اخبارات پر پابندی ہے جبکہ بھارت سے اکّا دکّا رسائل اور مطبوعات آجاتے ہیں اس سلسلہ میں محکمۂ ڈاک سے رجوع کیا گیا، اخبارات میں مراسلات بھیجے گئے، مگر اب تک کوئی تسلی بخش صورت ظاہر نہیں ہوئی۔ بھارت کے مظلوم و مقہور مسلمانوں سے رابطہ کی یہی ایک صورت تھی اور ایسے نازک حالات میں تو اور بھی زیادہ طرفین کے مسلمانوں کو ایک دوسرے کے خیالات اور حالات سے آگاہ رہنا ضروری تھا، ہمیں معلوم نہیں حکومت کی کونسی حکمت عملی اس بات کی محرک بنی ہے، مگر احمد آباد اور گجرات کے مسلمانوں پر زبانی چیخ و پکار کرنے والوں نے اس موٹی سی بات کو بھی نہیں سوچا کہ اسکے ردعمل میں بھارت بھی اسطرح پابندی لگا سکتا ہے، جسکے نتیجہ میں بھارت کے علمی تبلیغی اور دینی اداروں کو جو مادی نقصان پہنچے گا وہ تو ایک طرف، دونوں طرف کے مسلمانوں کا ایک دوسرے سے کلّی طور پر منقطع ہونا کتنا نقصان دہ ثابت ہوگا۔ پھر دونوں طرف کے اکابر علماء اور مفکّرین کے خیالات سے شغف رکھنے والے مسلمان دونوں طرف موجود ہیں، ان حالات میں یہ مسئلہ وزارتِ داخلہ اور وزارت مراصلات کی فوری توجہ کا مستحق ہے، ہمیں حیرت ہے کہ ہمارے ہاں کے پریس بالخصوص علمی اور دینی مجلاّت بھی اس بارہ میں کیوں قطعی خاموش ہیں۔؟

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

سمیع الحق

دعوات عبدیت حق — ارشادات حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ

ضبط و ترتیب: ادارہ الحق

ہماری ذلّت اور پستی کا واحد علاج
اللہ کی راہ میں صحابہؓ جیسی قربانی اور ایثار کی ضرورت

مسجد اقصیٰ کا سانحہ غزوۂ تبوک کی روشنی میں

خطبہ جمعۃ المبارک ۱۶ رجب ۱۳۸۹ھ

★

نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یا ایھا الذین آمنوا مالکم اذا قیل لکم انفروا فی سبیل اللہ اثاقلتم الی الارض ارضیتم بالحیوۃ الدنیا من الآخرۃ فما متاع الحیوۃ الدنیا فی الآخرۃ الّا قلیل۔ الّا تنفروا یعذبکم عذابا الیما ویستبدل قوما غیرکم ولا تضروہ شیئاً۔ واللہ علیٰ کل شیئ قدیر۔ الّا تنصروہ فقد نصرہ اللہ اذ اخرجہ الذین کفروا ثانی اثنین اذ ھما فی الغار اذ یقول لصاحبہ لاتحزن ان اللہ معنا فانزل اللہ سکینتہٗ علیہ وایدہٗ بجنود لم تروھا وجعل کلمۃ الذین کفروا السفلیٰ وکلمۃ اللہ ھی العلیا واللہ عزیز حکیم۔

ترجمہ آیات :- اے ایمان والو تم کو کیا ہوا جب تم سے کہا جاتا ہے کہ کوچ کرو اللہ کی راہ میں تو گرے جاتے ہو زمین پر کیا خوش ہو گئے دنیا کی زندگی پر آخرت کو چھوڑ کر سو کچھ نفع نہیں اٹھانا دنیا کی زندگی کا آخرت کے مقابلہ میں مگر بہت تھوڑا اگر تم نہ نکلو گے تو دے گا تم کو عذاب درد ناک اور بدلے میں لائے گا اور لوگ تمہارے سوا اور کچھ نہ بگاڑ سکو گے تم اس کا اور اللہ سب چیز پر قادر ہے۔ اگر تم مدد نہ کرو گے رسول کی تو اسکی مدد کی ہے اللہ نے جس وقت نکالا تھا کافروں نے کہ وہ دوسرا تھا دو میں سے جب وہ دونوں تھے غار میں جب وہ کہہ رہا تھا اپنے رفیق سے تو

غم نہ کھا، بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے، پھر اللہ نے اتاری اپنی طرف سے اس پر تسکین اور اسکی مدد کو وہ فوجیں بھیجیں کہ تم نے نہیں دیکھیں اور نیچے ڈالی بات کافروں کی اور اللہ کی بات ہمیشہ اوپر ہے۔ اور اللہ زبردست ہے حکمت والا۔ (ترجمہ شیخ الہندؒ)

محترم بزرگو! یہ چند آیات جو آپ کے سامنے تلاوت ہوئیں ان کا تعلق غزوہ تبوک سے ہے۔ حضور اقدسؐ کے زمانہ میں کفار نے قیصر روم کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو کر مسلمانوں پر حملہ کرنا چاہا قیصر کی طاقت بہت زیادہ تھی روم و شام اسکے زیر سلطنت تھے، قیصر اس ملک کے بادشاہ کا لقب ہے ان ممالک میں عیسائی بھی تھے اور یہودی بھی جن کی مسلمانوں کے ساتھ لڑائی جاری رہی

غزوہ تبوک | غزوہ تبوک حجۃ الوداع سے کچھ پہلے رجب ۹ھ کا واقعہ ہے۔ ہجرت کے نویں سال یہ واقعہ پیش آیا۔ شام سے غلہ لادکر لانے والوں نے جو نبطی تھے نے آکر بتلایا کہ نصرانی بادشاہ (ملک غسان) قیصر روم کی مدد سے کم از کم چالیس ہزار فوجیوں کو لیکر بلقاء مقام تک پہنچ چکا ہے اور ایک سال کی تنخواہ فوج میں بانٹ دی ہے اور مدینہ طیبہ پر حملہ کرنا چاہتا ہے —— یہ جون جولائی کا موسم تھا سخت گرمی تھی، عرب کی سرزمین ویسے بھی سخت گرم ہے، اور مدینہ طیبہ جہاں کی زیادہ تر پیداوار کھجور ہے سخت گرمی ہی میں فصلیں پک جاتی ہیں۔ اکثر لوگ کاشتکار تھے تو سال بھر کے حاصلات کا یہ وقت تھا، باغات تیار تھے، ایسے موسم میں جہاد کیلئے نکلنا بہت بڑی آزمائش کی بات تھی، چھاؤں تو ویسے بھی گرمی میں اچھا لگتا ہے، پھر ایسے گھنے باغات اور درختوں کے جھنڈ میں مدینہ کی سرزمین میں خدا نے عجیب برکات رکھی ہیں۔ یہاں کا پانی ایسا لذیذ اور لطیف ہے کہ اسکی مثال کہیں نہیں مل سکتی۔ وہاں کی صراحی میں پانی ڈال کر رکھ دو تو دس پندرہ منٹ کے بعد برف سے زیادہ ٹھنڈا ہو جاتا ہے، یہ وہاں کی آب و ہوا کی تاثیر اور برکت کا ظہور ہے۔ الغرض کاشتکار تو سال بھر اس موسم کے انتظار میں ہوتا ہے، کہ فصل پکے گا، اور ساری حاجات پوری ہوں گی۔ ایسے وقت میں اگر کاشتکار ذراسی غفلت کر دے تو سارا سال برباد ہو جاتا ہے۔ پھر حد سے زیادہ گرمی۔ ہم تو اس ستمبر کے مہینہ میں بھی میل بھر پیدل نہیں چل سکتے۔ اور وہاں تو مدینہ سے شام تک سارا علاقہ پہاڑی ہے نہ سڑک تھی نہ سواری نہ چھتری وغیرہ سے سایہ کا انتظام۔ الغرض حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو جب معلوم ہوا کہ یہودی اور عیسائی یہاں آکر ہمارے گھر کو میدان جنگ بنانا چاہتے ہیں، تو سوچا ہم خود ان کی طرف کیوں نہ بڑھیں اور جنگ ان کی سرزمین میں ہو۔ پھر دشمن کی فوجی طاقت کا اندازہ اس سے لگائیے کہ وہ ایک یرموک کی جنگ کے موقع پر ۳ لاکھ فوجی میدان میں لایا جس میں ساٹھ ستر سپاہی تو پابزنجیر

صف اوّل میں ایک دوسرے سے باندھے ہوئے تھے کہ کوئی بھاگنا بھی چاہے تو بھاگ نہ سکے۔ سامان جنگ سپاہیوں اور وسائل کی ان کے ساتھ کمی نہیں تھی، ایسے موقع پر جنگ کرنا بہت مشکل ہوجاتا ہے۔ پھر جب کہ موسم بھی شدید گرمی کا ہو اور اپنے شہر سے ایک مہینہ کی مسافت پر دوسرے ملک کو میدان جنگ بنا دیا جائے۔ آج روس اور امریکہ ہماری مدد اسی خاطر کرتے ہیں کہ جب جنگ ہو تو ملک کو میدانِ جنگ بنادیں اور خود بچے رہیں ـــــ ایسے وقت میں اپنی فصلوں کو چھوڑنا اور گرمی اور مصیبتوں کا برداشت بڑے حوصلہ و ہمّت کا کام تھا۔

جان و مال کا سودا | صحابہ کرامؓ تو واقعی اپنے مال و جان کو اللہ کے نام پر فروخت کئے ہوئے تھے۔ اور اس آیت کے مصداق تھے کہ: ان اللہ اشتریٰ من المومنین انفسہم واموالہم بان لہم الجنۃ۔ (میں نے تمہاری جان اور مال جنّت کے عوض خرید لئے ہیں، یہ تمہارے نہیں میرے ہیں۔) اگر کسی کا عقیدہ ہو کہ یہ رومال فلاں شخص کا ہے میرا نہیں تو جس وقت وہ طلب کرے گا، بخوشی دیدے گا۔ دار العلوم کے طالب علم جب فارغ ہوکر جاتے ہیں تو مدرسہ دی ہوئی کتابیں واپس لے لیتا ہے اور کسی کو انکار نہیں ہوتا۔ اسی طرح مال و دولت اور جان و جسم سب کچھ اللہ نے دیا پھر فرمایا کہ جنت کے عوض مجھ پر فروخت کر دو۔ اگرچہ مسلمان کے پاس اپنا کچھ بھی نہیں ہے سب کچھ اللہ کا دیا ہوا ہے۔ مگر یہ اللہ کی شانِ کریمانہ ہے کہ طلب کیا تو قیمت پر، ورنہ ہم اپنے گھر سے کونسی چیز لائے ہیں۔ اسکی مثال بالکل ایسی ہے کہ ایک معصوم بچّے کے ہاتھ میں لڈو اور کھلونے دے دیں پھر پانچ روپے دیکر اس سے لڈو مانگ لیں۔ اگر وہ ہوشیار ہے تو لڈو دیکر پیسے لے لیگا۔ بظاہر یہ تو سودا ہوا مگر درحقیقت بچّہ کے پاس کونسی چیز تھی۔؟ اسی طرح مسلمان اگر ہوگا تو اپنی جان اور مال، روح اور جسم جنت کے عوض اللہ کے سپرد کر دے گا، اس کیلئے صحابہؓ جیسے ایمان کی ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوجائے بہت مشکل کام ہے۔ ایسے نازک وقت میں اعلان ہوا کہ قیصر روم حملہ آور ہے کوئی فرد بھی پیچھے نہ رہے۔ ایسا نہیں کہ باپ جائے تو بیٹا کھیتی باڑی کرے، آپ اندازہ لگائیں کہ ایسے وقت میں ہم ہوتے تو کیا کرتے۔ مگر صحابہ کرامؓ نے کتنی قربانی دی ـــ؟ تعداد بھی بحمد للہ مسلمانوں کی اچھی تھی، جزیرۃ العرب مسلمانوں کے ہاتھ میں آچکا تھا کم از کم تیس چالیس ہزار مسلمان اسی جہاد میں شریک ہوئے مگر ان کے لئے راشن، اسلحہ، سواری وغیرہ کی ضرورت تھی۔

صحابہؓ کا بے مثل ایثار | ایسے موقع پر پہلی سیڑھی مالی قربانی کی ہے، حضور اقدسؐ نے اعلان فرمایا کہ جتنا بھی کسی کا بس چلے اور جتنی بھی ہمت ہو اللہ کی راہ میں پیش کر دے۔ امتحان تھا اور اس سے

پہلے بھی کئی امتحان ہوتے رہے ہے، حضرت ابوبکرؓ گھر تشریف لے گئے اور گھر میں جو بھی نقدی سامان لحاف برتن غلہ وغیرہ پایا سب کچھ سمیٹ کر حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ حضورؐ نے پوچھا کہ گھر کیا چھوڑ آئے، عرض کیا: اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول کی خوشنودی کے سوا کوئی چیز نہیں چھوڑی اور اللہ کی مرضی سے بڑھ کر نعمت کیا ہے۔؟ حضرت عمرؓ نے گھر کی ہر چیز آدھی کر دی اور ہر چیز کا آدھا حضورؐ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ کپڑے لحاف سب کچھ اٹھا کر مسجد لے آئے۔ آج کے مسلمان تو چوری مسجدوں سے کرتے ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ سے ہمارا کوئی تعلق ہی نہیں۔؟ اللہ کے گھر یعنی اپنی عبادت گاہ سے مسلمانوں کے جوتے چراتے ہیں۔ مسجدوں ہی میں لڑتے ہیں۔ آج جو حالت ہے وہ انتہائی افسوسناک ہے ـــــ اللہ غفور الرحیم ہے کہ ہمیں مہلت دیتا ہے، ایک دوسرے صحابی حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے دوسو "اوقیہ" پیش کیا۔ اور ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے۔ حضرت عاصم بن عدیؓ نے غالباً ایک سو وسق کھجور جو اس وقت کا قیمتی غلہ تھا پیش کر دیں۔ ایک وسق ساٹھ صاع ہوتا ہے حضرت عثمان غنیؓ نے سامان سے لدے ہوئے تین سو اونٹ پیش کر دئے جو تجارت کے لئے تیار کئے گئے تھے، اعلان جہاد ہوا تو سب کے سب حضورؐ کے سامنے پیش کر دئے اور ایک روایت تو نو سو اونٹ اور ایک تھیلی ہزار دینار کی بطور چندہ پیش کی۔ حضور اقدس ؐ فرماتے ہیں: "ماضر عثمان ما عمل هذا" عثمانؓ نے اتنی بڑی قربانی دی، اس تنگی کے وقت کہ اس کے بعد بالفرض وہ اس قدر کوئی عمل نہ کرے تو اسے کوئی ضرر نہیں، یہ جنتی ہے، اللہ نے اس عمل سے انہیں بخش دیا۔ مگر حضرت عثمانؓ نے اس کے بعد بھی زندگی بھر اسلام کی خدمت کی۔ بارہ سال تو مسلمانوں کی خلافت کی خدمت انجام دی کابل تک فتوحات ہیں۔ یہ حضرت عثمانؓ کی برکت ہے، جو یہاں مسلمان بیٹھے ہیں۔

تبوک کی قربانی اور بے مثال عمل کے موقعہ پر حضورؐ نے بشارت دی اور فرمایا: "اے اللہ میں اس سے راضی ہوں تو بھی اس سے راضی ہو جا۔"

ایک ایسا صحابی ابوعقیل حبحاب بھی تھا جو غریب تھا مگر اللہ کی راہ میں مدد کرنے کے لئے بے چین تھا کہ میں بھی کچھ پیش کر دوں۔ عشاء کی نماز پڑھ کر یہودیوں کے باغات کیطرف نکلا، باغ کی دیوار سے جھانکنے لگا، باغات چرخہ سے پانی نکال کر سیراب کئے جاتے تھے، یہودی نے سمجھا کہ بدّو ہے مزدوری کی تلاش میں نکلا ہے۔ پوچھا: او بدّو محنت کرو گے۔ کہا: ہاں۔ تو اس نے کہا آؤ ایک ڈول کے بعد ایک چھوہارہ مزدوری دوں گا۔ یہ خوشی خوشی رات بھر بھاری ڈول کھینچ کر پانی نکالتا رہا، یہودیوں کا بخل تو مشہور ہے۔ یہ جب ایک ڈول نکالتا تو یہودی ایک کھجور بدّو کے ہاتھ پر رکھ دیتا۔ صبح تک

ایک صاع یعنی دو سیر گیارہ چھٹانک کھجور اس نے مزدوری میں کمائے اور نماز کے بعد حضورؐ کی خدمت میں نہایت عجز اور محبت سے پیش کر دئے کہ میرے بس میں یہی ہے اسے اللہ کی راہ میں قبول فرماویں تو میری سعادت ہوگی، منافق اس وقت ہنستے رہے اور تمسخر کرتے، کوئی زیادہ مال پیش کرتا تو کہتے دیکھو اس ریاکار کو، نام کیلئے سب کچھ لٹایا ہے، اگر کوئی تھوڑا صدقہ کرتا تو مذاق کرتے کہ دیکھو خون لگاکر شہیدوں میں یہ بھی شمار ہونے لگا ہے۔ مقصد صرف یہ تھا کہ کوئی کام دین کا نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اسی موقعہ پر ارشاد فرمایا:

الذین یلمزون المطوّعین	وہ لوگ جو طعن کرتے ہیں ان مسلمانوں پر جو دل
من المومنین فی الصدقات	کھول کر خیرات کرتے ہیں اور ان پر جو نہیں رکھتے
والّذین لایجدون الاجھدھم	مگر اپنی محنت کا۔ پھر ان پر ٹھٹھے کرتے ہیں اللہ
فیسخرون منھم سخر اللّٰہ منھم	نے ان سے ٹھٹھا کیا ہے اور ان کے لئے عذاب
ولھم عذابٌ الیم۔	دردناک ہے۔

صحابہؓ کا مقام اللہ کی نگاہ میں | قرآن مجید کو پڑھئے تو صحابہؓ کی عظمت کا احساس ہوگا، اللہ تعالیٰ جہاں بھی صحابہؓ کا ذکر فرماتے ہیں تو جب تک ان کی پوری توصیف اور تعریف واضح نہ ہو چکی ہو، بس نہیں کرتے جیسا کسی کے ساتھ محبت ہو تو ان کے ذکر سے جی سیر نہیں ہوتا۔ قرآن مجید میں جملہ معترضہ کے ضمن میں بھی ان کا ذکر آجائے تو پوری تفصیل کر دیتا ہے جیسا کہ عشق و محبت میں مزے لیکر کسی کا ذکر کیا جا رہا ہو۔ آیت محمد الرسول اللّٰہ والذین معہٗ اشدّاء علی الکفار میں کس شان اور کس محبت سے صحابہؓ کا ذکر ہو رہا ہے۔ اسی طرح یہاں بھی ہے، فرمایا جو لوگ صحابہؓ سے ہنسی مذاق کریں اور ان کا مذاق بھی اسی قسم کا تھا کہ "اس فقیر کو دیکھو چند کھجوروں پر قیصر کو فتح کرنا چاہتا ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو لوگ اپنی مرضی سے صدقہ دیتے ہیں اور منافق ان سے تمسخر کرتے ہیں، ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا، سخر اللّٰہ منھم ولھم عذاب الیم اور ناممکن ہے کہ کوئی شخص صحابہ کرامؓ کا دشمن ہو اور اس کو عذاب الیم نہ ملے اور خاتمہ ایمان پر نصیب ہو۔ خصوصاً سیدنا ابوبکر صدیق جیسے صحابیؓ جن کی معیت اور صحابیت قرآن سے ثابت ہے۔

الغرض صحابہ کرامؓ نے ایسی قربانیاں پیش کیں، اور ایسے نازک موسم اور حالات میں، مگر منافقین نے بہانے بناتے، بیوی بچوں کی بیماری، گھر کی تنہائی اور ایسے ایسے عذر تراشے کہ سن کر حیرت ہوتی

ہے جو لوگ بے حیا ہو جائیں ان کی ڈھٹائی کی حد نہیں ہوتی۔ یہی حال منافقین مدینہ کا تھا۔ نام مسلمانوں کی فہرست میں تھا کہ جب تقسیم کا وقت آتا تو ہر ایک آگے بڑھتا، مگر سختی کے مواقع پر بہانے تراش لیتے۔

چند ایک صحابیؓ واقعی مجبوری کی وجہ سے پیچھے رہ گئے، مومن اور پکے مسلمان تھے، رہ تو گئے مگر چین اور سکون کب ہو سکتا تھا۔ ابو خیثمہؓ ایک صحابی ہیں قافلہ روانہ ہوا تو ان کا خیال تھا کہ اس کے پہنچنے میں تو سوا مہینہ لگے گا، میں آرام سے کام کاج سمیٹ کر پہنچ جاؤں گا، تو وہ رہ گئے، مگر ایک دوپہر کو اپنے باغ میں آئے ٹھنڈی چھاؤں تھی، بیوی نے پانی چھڑک دیا تھا، پینے کے لئے ٹھنڈا پانی موجود تھا۔ عربوں کا دستور تھا کہ باغ پک جانے پر بیوی بچے سب کو باغ میں لے جاتے اور وہاں رہتے تو ان کی بیوی ان کے انتظار میں بن سنور کر بیٹھی تھی۔ ابو خیثمہؓ اس شدید گرمی میں بچوں کے پاس آئے، بیٹھ گئے اور سوچنے لگے اور دل ہی دل میں کہنے لگے کہ ابو خیثمہؓ تم کیسے مسلمان ہو، تم یہاں آرام سے بیٹھے ہو اور حضور اقدسؐ اور صحابہ کرامؓ معلوم نہیں کس پہاڑ اور کونسی گھاٹی اور تپتے ہوئے صحراؤں کو عبور کر رہے ہوں گے۔ یہ تو اسلام کا تقاضا نہیں کہ میں آرام میں رہوں۔ بے چینی بڑھ گئی اور سیدھے اٹھ کھڑے ہوئے اور روانہ ہو گئے۔ نہ کھایا نہ پیا نہ بیوی بچوں سے محظوظ ہوئے انیتے کانپتے اکیلے سفر طے کیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تبوک کے میدان میں ہیں، دور سے گرد و غبار نظر آیا تو حضورؐ نے فرمایا: کن ابا خیثمہ۔ یعنی یہ آنے والا اگر ابو خیثمہؓ ہو تو کیا اچھا ہوگا۔ چنانچہ ابو خیثمہؓ آئے اور حضورؐ سے ملاقات ہوئی، دوسرے صحابیؓ حضورؐ کے جان نثار اور عاشقِ زار حضرت ابو ذرؓ تھے۔ بہت بڑے زاہد، عابد اور مجاہد صحابی ہیں۔ تبوک روانگی کے وقت ان کی اونٹنی بیمار تھی، خیال کیا کہ مہینہ بھر مسافت ہے، اتنا بڑا قافلہ تو آہستہ سے جاتا ہے، دو تین دن میں اونٹنی ٹھیک ہو جائے تو تیز تیز جا کر ان تک پہنچ جاؤں گا، مگر دو ایک دن گذرے تھے کہ بے چین ہوئے اور سوچا کہ کب تک اونٹنی کے انتظار میں بیٹھا رہوں گا، بوریا بستر سمیٹ کر اپنے کندھوں پر لادا۔ راستہ خطرات سے پر ہے، گرمی ہے، تنہائی ہے، لمبا سفر ہے مگر ابو ذرؓ پیدل سامان اٹھائے جا رہے ہیں۔ قافلہ پہلے پہنچ چکا تھا، حضورؐ نے دیکھا تو بطور ظرافت فرمایا: اے ابو ذر اکیلے آ رہے ہو اکیلے مروگے اور اکیلے حشر ہوگی اور یہ عجیب بات ہے کہ اس موقعہ پر ذرا سی بھی کسی سے سستی ہوئی تو وہ کسی نہ کسی آزمائش اور ابتلاء میں ڈالا گیا۔

جہاد کی ترغیب | ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے غزوۂ تبوک کے موقعہ پر مسلمانوں کو جہاد پر

آمادہ کیا اور کامیابی کی راہ بتلا دی، جس میں موجودہ حالات میں سبق ہے۔ فرمایا کہ: یا ایہا الذین آمنوا۔ اے ایمان کا دعویٰ کرنے والو! تم کیسے مسلمان ہو کہ جب کہہ دیا جائے کہ انفروا فی سبیل اللہ۔ اللہ کی راہ میں نکلو اور جان و مال کی قربانی پیش کر دو تو اثاقلتم الی الارض۔ تم زمین کی طرف کھنچنے لگے ہو، زمین بہت بھا گئی۔ بھاری ہوتے جاتے ہو جیسے کسی کو سخت وقت میں پکار دو تو وہ پاؤں پھیلا کر کہتا ہے کہ تم جاؤ میں تو لیٹ گیا، سر میں درد ہے، قدم اٹھتے نہیں اور بھاری آدمی بھی چل پھر نہیں سکتا۔ جیسے بنی اسرائیل کو جہاد کی دعوت دی تو کہا: انا ھھنا قاعدون۔ تو اور تیرا رب جا کر لڑے ہم تو یہاں بیٹھتے ہیں، تو اللہ نے ہمیں مخاطب کیا کہ کیا خیال ہے تمہارا۔؟ ارضیتم بالحیٰوۃ الدنیا من الآخرۃ۔ کیا تم آخرت چھوڑ کر دنیا پر راضی ہو بیٹھے، کیا زندگی کا مقصد کھانا پینا اور لذائذ سے متمتع ہونا رہ گیا، اللہ نے فرمایا کہ اگر ساری دنیا بھی مل جائے مگر آخرت کے مقابلہ میں یہ سب کچھ ہیچ ہے۔ فما متاع الحیاۃ الدنیا فی الآخرۃ الا قلیل۔ جب سب کچھ ہاتھ سے چلا جائے تو احساس ہوگا، ایوب خان نے دس سال حکومت کی اب اُسے پوچھو تو کہے گا کہ چند منٹ بھی اچھے نہیں گذرے۔ ہر لاکھ پتی، کروڑ پتی سب کچھ چھوڑ کر مرے گا۔ سکندر ذوالقرنین کی طرح ساری دنیا کی سلطنت بھی مل جائے تب بھی جاؤ گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وصال کا وقت آیا تو عزرائیل علیہ السلام نے آکر پیشکش کی کہ چاہو تو ایک بھیڑ کی پشت پر ہاتھ رکھ دو جتنے بھی بال ہاتھ کے نیچے آئیں اتنے سال تم اور زندہ رہ سکتے ہو۔ حضرت موسیٰؑ نے پوچھا کہ اس کے بعد کیا ہوگا کہا موت۔ تو فرمایا کہ الآن۔ پھر ابھی کیوں نہیں۔؟ تو دنیا کی بادشاہت، بنگلہ، موٹر، صحت، جوانی دولت کوئی شے نہیں۔ آخرت حاصل کرو۔

ترک جہاد پر وعید | یہ تو ترغیب تھی آگے اسکی ترہیب اور الزام ہے۔ الا تنفروا یعذبکم عذابا الیما اگر اب بھی تم نے سستی کی جہاد کے لئے نہ چل پڑے کافروں کا مقابلہ نہ کیا تو یعذبکم عذابا الیما خدا تمہیں سخت دردناک عذاب میں مبتلا کر دے گا اللہ ہمیں عذاب سے بچا دے، یہ زلزلے، سیلاب، قحط میں ابتلا آپس کی مقدمہ بازی مار پیٹ اور جنگ و جدال سب عذاب کی نشانیاں ہیں۔ آگے فرمایا: اگر تم اسلام اور مذہب کیلئے اٹھ نہ کھڑے ہوئے تو یستبدل قوما۔ تمہاری جڑ ہی کاٹ دے گا۔ دوسری قوم تمہارے بدلے دین کے لئے کھڑی کر دے گا۔ ولا تضروہ شیئاً۔ اگر اسلام کی خدمت سے تم نے منہ موڑ دیا تو کیا اسلام کمزور ہو جائے گا؟ کیا حضور اقدسؐ کی شان رسالت اور خدمات جلیلہ میں فرق آجائے گا۔؟ بالکل نہیں۔ تم اللہ اس کے رسول اور اس کے دین کو

کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتے وہ اوروں کو کھڑا کر دے گا، اسکی سلطنت میں کیا کمی ہے: واللہ قویٌّ عزیز۔ وہ قادر ہے، غالب ہے، تمہیں موقع دے رہا ہے، اسے کوئی ضرورت نہیں۔

محترم بھائیو! آیات مفصل ہیں اور وقت مختصر ہے مگر تبوک کے بارہ میں یہ آیات آج ہمارے اوپر منطبق ہو رہی ہیں۔ تبوک والے بھی یہود و نصاریٰ تھے جو مسلمانوں کے خلاف اکھٹے ہوئے، اس ذلیل قوم کا اب تک یہی انداز ہے، دو سال پہلے انہوں نے مسلمانوں کی مقدس سرزمین بیت المقدس اور دیگر مقامات مقدسہ چھین لئے، اردن اور مصر کا کافی حصہ غصب کیا، اور مسئلہ یہ ہے کہ کوئی اسلامی خطہ ایک بالشت کیوں نہ ہو کا فر غصب کرے یا کسی مسلمان کو قید کرے، تو وہاں کے باشندوں پہ فرض ہو جاتا ہے کہ جہاد کریں اور اسے چھڑا لیں۔ اگر ان سے نہ ہو سکے تو پڑوس والے مسلمانوں پہ یہاں تک کہ رفتہ رفتہ دنیا کے دوسرے حصہ پر رہنے والوں پہ بھی جہاد فرض ہو جاتا ہے۔

اللہ کی راہ میں نکلنے سے غفلت کا انجام | جنگ پلاسی کے موقعہ پر انگریز نے مسلمانوں کی سرزمین ہندوستان پر حملہ کیا، وہاں کے باشندوں پر جہاد فرض ہوا، ان سے نہ ہو سکا تو پنجاب، سرحد، کابل اور ترکی پر فرض ہو گیا کہ جہاد کرتے، اور جس نے بھی سستی کی وہ غرق ہوئے، غلام اور محکوم ہوئے، اس وقت خدا کا بڑا کرم ہے، ایسا موزوں وقت صدیوں بعد آیا ہے۔ کہ تیس پینتیس سلطنتیں پاکستان، عراق، شام، مصر، انڈونیشیا وغیرہ آزاد ہیں۔ اب بھی جہاد نہ کر سکیں تو کب کریں گے ——؟

مٹھی بھر ذلیل یہودی اٹھے اور ہمارے منہ پر طمانچہ مارا، قبلہ اول چھین لیا وہ بیت المقدس جسے حضرت عمرؓ نے فتح کیا تھا مدینہ سے تشریف لائے، بوسیدہ کپڑے پہنے ہیں، صرف ایک غلام ساتھ ہے، خود پیدل ہیں اور اونٹ پر غلام سوار ہے، مسلمانوں کے کمانڈر انچیف حضرت ابو عبیدہؓ نے نئے کپڑے پیش کئے کہ سارا شہر استقبال کے لئے امڈ آیا تھا۔ درخواست کی کہ اونٹنی پر سوار ہو جاؤ لوگ کیا کہیں گے۔ فرمایا: نحن قومٌ اعزنا اللہ بالاسلام۔ ہماری عزت کپڑوں وغیرہ سے نہیں اللہ نے ہمیں اسلام کی وجہ سے عزت دی۔ ایک وہ تھے اور ایک ہم ہیں کہ اتنی سلطنتیں ہاتھ میں ہیں، مگر ذلیل سے ذلیل قوم اٹھ کر ہزاروں مربع میل زمین ہم سے چھین رہی ہے۔ بیت المقدس اور شام کا اکثر حصہ گیا مگر مسلمان ٹس سے مس نہ ہوا۔ بلکہ ایک دوسرے پر غرانے اور چنگھاڑنے لگا۔ آپس کا اختلاف اور بھی بڑھا دیا۔ کسی نے غیرت نہ کی سب مجرم ہوئے تو خدا نے دوسرا تھپیڑ دیا کہ شاید اب انہیں غیرت آجائے، تو مسجد اقصیٰ کو یہود نے آگ لگا دی کہ اب بھی غیرت آتی ہے یا نہیں، یہ تو اللہ کا گھر ہے، اپنے گھروں کیلئے تو مرتے مارتے ہو مگر اللہ کے گھر پہ بھی

غیرت کرتے ہو یا نہیں مسلمانوں کے قبلۂ اوّل کو یہود نے سازش سے جلا دیا۔ یاد رکھیں اللہ بے نیاز ہے، تقسیم ہند کے وقت ہزاروں عورتیں سکھ لے گئے لاکھوں مر گئے اس کی بادشاہت میں کیا کمی آئی اسے ہماری حالت معلوم ہے، مگر ہمارا ایمان آزمانا اور دنیا کے سامنے تلوانا چاہتا ہے۔ اسلام اور اسلامی ملک پر غیرت نہیں، وطن وطن چھوڑئیے یہ مہمل لفظ ہے۔ بلکہ دیکھو کہ مذہب اسلام اور اللہ کی زمین پر غیرت کرتے ہو یا نہیں۔؟ یہود نے ہمارا قبلۂ اوّل جلایا تاکہ ہماری مرکزیت ختم ہو جائے، وہ ہماری غیرت کو چیلنج کر رہے ہیں۔ ان کی پشت پر سارا امریکہ اور دیگر کفار امداد کے لئے کھڑے ہیں۔ الکفر ملتہٌ واحدۃٌ۔ ہمارے خلاف سب ایک ہیں، انہوں نے ہماری عبادت گاہ قبلہ اوّل کی ایسی بے حرمتی کی جو کوئی قوم نہیں کرتی، ہمارے ملک میں بیشمار معابد ہیں مگر ہمارا مذہب کفار کے معابد کا بھی تحفظ کرتا ہے۔

ہماری مثال اس چرسی کیطرح بن گئی ہے جو لحاف اوڑھے ہو اور کسی طرح جھنجھوڑنے سے بھی نہیں اٹھتا، اور مسجد اقصیٰ کو آگ لگانا ایسا ہے کہ اس چرسی کے لحاف کو آگ لگا دی جائے۔ کہ یہ تو کسی طرح اٹھتا نہیں، شاید اسطرح بیدار ہو جائے۔ اب بھی نہیں اٹھے گا تو لحاف ہی میں جل جائے گا۔

رباط کانفرنس | مدتوں بعد مسرت کی یہ خبر نظر سے گذری ہے کہ اس ماہ کے آخر میں مسلمان ممالک کے حکام اور امراء جن میں پاکستان کے صدر محترم بھی شامل ہیں رباط میں جمع ہو رہے ہیں۔ اس پر سب مسلمان خوش ہیں۔ پوری قوم انشاء اللہ مال وجان کی قربانی کے لئے تیار رہے گی، ایسے موقع پر اگر جہاد کا فیصلہ کیا گیا جو نہ صرف محاذوں پر ہو بلکہ پوری اسلامی دنیا اس میں شریک ہو جائے تو یہ چیز تمام مسلمانوں کی مسرت کا باعث بنے گی۔ ایسے ہی موقعہ پر بھی اللہ کا اعلان ہے کہ تمہیں کیا ہو گیا کہ حرکت نہیں کرتے مگر اس کے بعد ایک دوسرا اعلان بھی ہے کہ اگر نہیں اٹھتے جہاد کے لئے تو اللہ تعالیٰ تمہیں صفحۂ ہستی سے مٹا دے گا۔ تھوڑے عرصہ میں کتنے بادشاہ اور صدر ختم ہوئے اللہ نے انہیں ایسا ذلیل کر دیا کہ وہ بالکل ملیامیٹ ہو گئے، اس لئے کہ انہیں دین سے سروکار نہ تھا۔ اور جو رہ گئے ہیں انہیں بھی اعلان ہے کہ لیعذبکم عذاباً الیماً۔ اللہ کے لئے اس ستر کروڑ تعداد کو مٹانے اور دوسری قوم کو کھڑا کرنے میں کوئی مشکل بات نہیں۔ ان اللہ قوی عزیز۔ ہماری آواز بہت کمزور ہے، مگر ہم رباط کانفرنس میں جمع ہونے والے سربراہوں کو یقین دلاتے ہیں کہ مسلمان جان ومال قربان کرنے میں دریغ نہ کریں گے۔ وہ یہ نہیں دیکھ سکتے کہ خانۂ خدا کی توہین ہوتی

رہے۔ یہود مخذول و مقہور اس میں ڈائس کرتے پھریں اور اسے آگ لگائیں اور ان کی نظریں مدینہ طیبہ پر بھی ہوں۔ بفضل خدا پوری قوم اللہ کی پکار سن رہی ہے، مسلمان قوم اب بھی مخلص ہے اور دین کا درد ان میں موجود ہے۔ اب ساری ذمہ داری ان کے حکام اور امراء و سلاطین پر ہے۔ اللہ انہیں مخلص بنادے، اور ایمان کی بنیادوں پر رباط میں جہاد کے جذبہ سے سرشار کرکے متفق و متحد بنادے اور اگر ستر کروڑ مسلمان متحد ہو گئے تو انشاء اللہ وہ دور آئے گا جب کہ ہر بیت ... سے اللہ اکبر کی صدا بلند ہونے لگے گی۔ لیکن اگر ہمارے لیڈروں کو یہ فکر رہا کہ فلاں کو تمغہ مل جائے گا، فلاں کی شہرت ہوگی، فلاں بڑا بن جائے گا تو پھر کامیابی مشکل اور تباہی یقینی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس اجتماع کو نتیجہ آور بنادے اور ہم سب کے ایمان سلامت رکھے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

حضرت علامہ شمس الحق صاحب افغانی مدظلہ
صدر شعبہ تفسیر جامعہ اسلامیہ - بہاولپور

سائنس اور اسلام

سائنس فلسفہ اور مذہب کا دائرہ کار

یورپی اسلام دشمنی ایک یورپی نومسلم کے قلم سے

یورپ کی فطرت میں اسلام دشمنی پیوست ہو چکی ہے اور مستقبل قریب میں اسکی کمی کے امکانات نہیں، حال ہی میں گھر کے ایک بھیدی کی انگریزی تحریر کا ترجمہ محمد معین خان بی اے (عثمانیہ) نے شائع کیا، جسکے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں۔ یہ یورپی نومسلم علامہ محمد اسد ہے، جو مراکش میں مقیم ہے۔ آپ لکھتے ہیں: یورپ کو اسلام کے ساتھ مخالفانہ رویہ بھی ایک حد تک اپنے اسلاف سے ترکے میں ملا ہے۔ مغرب اگرچہ تمام مذہبوں اور ثقافتوں کو یوں ہی ناپسندیدہ نظروں سے دیکھتا ہے۔ لیکن اسلام کے معاملہ میں اسکی اس ناپسندیدگی کے دامن مجنونانہ نفرت کی حدوں سے جا ملتے ہیں۔ اسلام کے خلاف مغرب کی نفرت اور عداوت کی جڑیں نہ صرف اسکی عقل و ادراک ہی میں پیوست ہیں۔ بلکہ جذبات و احساسات کے گوشے گوشے میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اگرچہ یورپ کے لئے بدھ اور ہندو فلسفہ بھی قابل قبول نہیں۔ تاہم ان فلسفوں کے بارے میں اس کا ذہنی رویہ ہمیشہ متوازن رہا ہے۔ لیکن جہاں اسلام پر اسکی نظر پڑی اس کا ذہنی توازن بگڑ گیا۔ اور ایک جذباتی تعصب قلب و دماغ پر چھا گیا، یورپ کے عظیم المرتبت مستشرقین بجز چند مستثنیات کے تمام کے تمام ان تحریروں میں جو انہوں نے اسلام پر قلمبند کی ہیں انتہائی شدید تعصب میں ملوث نظر آتے ہیں، ان کی تحقیقات سے بیشتر ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اسلام کیساتھ ایک علمی تحقیقاتی موضوع کا معاملہ نہیں کرتے بلکہ اسکو ایک ایسا ملزم سمجھتے ہیں جو حاکم عدالت کے سامنے کھڑا ہو۔ یہ مستشرقین کبھی بھی کھلے

دل سے حقائق و واقعات کا کھوج نہیں لگاتے۔ بلکہ ہر واقعہ میں شہادت اور متعلقہ واقعات و توف حاصل کرنے سے پہلے ہی اپنے تعصب کے زیر اثر ایک نتیجہ قائم کر لیتے ہیں، اور پھر اسی نتیجہ سے اپنی کاروائی کا آغاز کرتے ہیں جس پر پہنچنے کا وہ پہلے ہی عزم کر لیتے ہیں۔ اسلام اور اسلام سے تعلق رکھنے والی ہر چیز کی جو مسخ شدہ تصویر ہمیں یورپ مشرقیاتی ادب میں دکھائی دیتی ہے، وہ دراصل مستشرقین کے اسی مخاصمانہ طریق کار کا نتیجہ ہے۔ واقعات کے توڑ موڑ کا یہ معاملہ کسی ایک ملک تک محدود نہیں بلکہ انگلستان، جرمنی، فرانس، ہالینڈ، غرض یورپ کے جس ملک میں یہ مستشرقین اسلام پر نظر کرم فرماتے ہوئے دکھائی دیں گے، وہ سب کے سب اس حمام میں ننگے ہی ننگے نظر آئیں گے۔ یہ تحریر بڑی لمبی ہے، ہم خلاصہ پیش کرتے ہیں۔ محمد اسد نومسلم انگریز سے ہماری ملاقات اور گفتگو بھی ہوئی ہے۔ یہ تحریر الحق اکوڑہ مئی ۱۹۶۹ء میں شائع ہوئی ہے۔ ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ مغربی موثرات ہر جگہ اسلامی معاشرہ کی بنیادوں کو کھوکھلا اور اسے تباہ و برباد کرتے چلے جا رہے ہیں۔ مستشرقین کے متعلق یہ حقیقت مجھے پہلے سے معلوم تھی۔ اور انکی تحریرات کو دیکھ کر یہ رائے ہم نے بہت پہلے سے قائم کی تھی جسکی تائید اسد صاحب کے قلم سے بھی ہوئی۔ یہ تحریر ہمارے نوجوان تعلیم یافتہ طبقے کی عبرت حاصل کرنے کے لئے کافی ہے، جو مستشرقین کی تحریرات سے اسلام سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

قرآن اور سائنس عیسائیت میں دین و دنیا کی تفریق ایک بنیادی عقیدہ ہے، جو ہر عیسائی دل و دماغ میں اس وجہ سے راسخ ہوا کہ حضرت مسیحؑ نے فرمایا: کہ جو قیصر کا ہے وہ قیصر کو دو اور جو خدا کا وہ خدا کو دو۔ نیز مسیحی دین میں زیادہ تر بنی اسرائیل کی اصلاح پر نظر تھی، جو دنیا کے لئے دین بگاڑ چکے تھے اس لئے یہ کہنا پڑا کہ دنیا دار خدا کی بادشاہت یعنی جنت میں داخل نہیں ہو سکتا جسکی وجہ سے دین و دنیا متضاد سمجھے گئے۔ اس قدرتی بات نے کہ حضرت مسیحؑ نے نہ شادی کی نہ حکومت کی بلکہ ان دونوں چیزوں سے علیحدہ رہے۔ پھر یہ کہ مسیحیت کے نام پر علمی اور سائنسی تحقیق کے جرم میں ہزاروں افراد کو موت کے گھاٹ اتارا گیا، جس سے دین و دنیا کی تفریق کے عقیدہ کی جڑیں زیادہ مضبوط ہوئیں۔ اور مسیحی دنیا اس تفریق کی بدولت جو کچھ مسیحی ہدایات تھیں ان سے محروم ہو کر مادی علوم اور الحادی نظریات پر اپنی زندگی استوار کرنے لگے جسکی وجہ سے وہ مادی ترقی کے باوجود اصلی انسانیت سے محروم ہو کر صرف غلام شہوت و غضب بن کر رہ گئے۔ اور ان کی اس اخلاقی انحطاط نے پوری دنیا کو جہنم کدہ بنا دیا۔ لیکن اسلام چونکہ دین

فطرت ہے۔ اور زندگی کی انفرادی اور اجتماعی تمام شعبوں کے متعلق ایک کامل اور مکمل دستور ہے۔ اخلاقی عباداتی اعتقاداتی سیاسی معاشرتی خانہ داری، جہاں بانی کے تمام ضوابط پر حاوی ہے۔ اس کے متعلق تفریق دین و دنیا کا تصوّر ممکن نہیں، البتہ وہ شخص ایسا تصوّر کر سکتا ہے کہ جو اسلام اور قرآن کے ابجد سے ناواقف ہو۔ بجائے بندۂ خدا ہونیکے بندۂ یورپ بن گیا ہو۔ اسلام دین فطرت کا نام ہے۔ فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا۔ (اسلام کے توانین انسانی فطرت کے مطابق ہیں) جس پر اللہ نے انسان کو پیدا کیا۔ اور سائنس قوانین فطرت کی دریافت کا نام ہے، جو کائنات غیر متبدل شکل میں محفوظ ہیں۔ لہٰذا ہر سائنس حقیقت اور صداقت دین فطرت کا عین تقاضہ ہے۔ اسکی ضد اور مخالف نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ چودہ سو سال میں مسلمانوں نے اسلام کے اس عطا کردہ تصوّر کے تحت نہ کسی سائنسی دریافت کی مخالفت کی اور نہ ہی سائنسی حقیقت کی دریافت پر کسی ایک فرد کو سزا دی گئی۔ مسلم سائنس دانوں نے سائنس کے حقائق معلوم کئے اور ایجادات بھی کیں اور یورپ نے اُن سے سائنس سیکھی، جیسے کہ ہم ثابت کر چکے ہیں۔ لیکن نہ اُن کی مخالفت کی گئی۔ اور نہ سائنس دانی کی وجہ سے مسلم سائنس دانوں کے اسلامی عقائد میں فرق آیا یہ امر واضح دلیل ہے کہ سائنس اور اسلام میں توافق ہے۔ تخالف نہیں، البتہ مسلم سائنس دانوں اور ان کے شاگرد یورپی سائنسدانوں کے بنیادی اصول میں فرق تھا، جسکی وجہ سے اسلامی سائنس ان خرابیوں سے محفوظ رہی جو موجودہ یورپی سائنس کو لاحق ہوئیں، جسکی وجہ ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔

اب ہم کو صرف یہ دکھانا ہے کہ قرآن سائنس اور علوم کونیہ کیطرف انسان کو کس قدر ترغیب دی۔ اور اُن قوانین قدرت جو مظاہر قدرت ہیں اور کائنات عالم میں موجود ہیں کیطرف کس قدر پُر زور طریقے سے توجہ دلائی۔ اور اسی توجہ نے مسلمانوں میں بیشمار سائنسدان پیدا کئے اور اُن کی وجہ سے یورپ بھی سائنس سے آشنا ہوا۔ قدیم اور جدید دونوں کے سائنسی قوانین میں فرق نہیں تھا۔ اور اسلامی سائنس اور یورپی سائنس اس لحاظ سے ایک ہیں، کیونکہ دونوں کا تعلق قوانین قدرت کی دریافت سے ہے ــــ لیکن ہر سائنس کے لئے ایک بنیادی عقیدے کی ضرورت ہے جس کے پس منظر میں سائنس کی حقیقی نشو و نما ہو سکتی ہے۔ اور سائنس کے حسن کو اسی عقیدہ سے فروغ حاصل ہو سکتا ہے۔ اسی بنیادی عقیدہ کے لحاظ سے سائنس کی دو قسمیں بن جاتی ہیں۔ ایمانی سائنس اور الحادی سائنس۔

ایمانی سائنس ایمانی سائنس کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ خدا کے عقیدہ توحید پر مبنی

ہو کہ کائنات کے اندر جس قدر قوانین حکیمانہ کارفرما ہیں، وہ خدائے کائنات نے کائنات میں رکھے ہیں، اور انسان کے دماغ میں اسی خدا نے وہ قوت دماغی وفکری بھی رکھی ہے۔ کہ وہ تجربہ اور استقراء سے ان قوانین کو دریافت کر کے انسان انکو مفید مقاصد میں استعمال کرے۔ کائنات یا مادہ کائنات ان قوانین کا موجد نہیں۔ بلکہ وہ ان قوانین کا مظہر اور ظرف ہے۔ ظرف اور چیز ہے، اور علت وسبب اور چیز۔ رحم مادر بچے کے لئے ظرف ومظہر ہے، موجد نہیں۔ رحم مادر میں وہ علم وشعور کہاں جو بچے کے اعضاء اور انکی قوتوں کو پیدا کر سکے۔ اسی بنیادی عقیدۂ خدا کے تحت جس قدر قوانین سائنس کو سائنسدان دریافت کرے گا۔ اسی قدر سے اس کا ربط اور تعلق بڑھتا جائیگا، اور ان قوانین کی حکمتوں سے خدا کی عظمت اس کے دل پر نقش ہوتی جائیگی۔ اور سائنسدان کا دل بھی خدا کی عظمت ومحبت سے منور ہوگا۔ اور مزید دریافت کے لئے اس میں مزید جوش عمل پیدا ہوگا۔ اور جب وہ یہ محسوس کریگا۔ کہ ان قوانین میں باوجود تنوع وتکثر کے ایک وحدۃ پائی جاتی ہے۔ مثلاً فلکیات، ارضیات، نباتات، حیوانات، عناصر حیاتیات اور نفسیات کے تمام قوانین باہم دگر اس قدر مربوط اور ایک ہی مقصد کی طرف متوجہ معلوم ہوتے ہیں کہ کسی وقت میں بھی ان قوانین میں تصادم وٹکراؤ نہیں ہو سکتا، تو اس وحدت سے وہ اللہ کی وحدت کا نتیجہ اخذ کریگا۔ کہ کائنات عالم میں ایک ہی ذات کارفرما ہے اور یہی توحید جو سائنس کے راستے سے حاصل ہو سکتی ہے۔

مسلم سائنسدانوں کی سائنس بھی ایمانی سائنس تھی، جسکی وجہ سے وہ الحاد بداخلاقی فسق وفجور ظلم وستم سے محفوظ تھے، یورپ کی بنیادی غلطی یہ ہے کہ اس نے عقیدۂ خدا کو سائنس سے الگ کر دیا۔ اور اسی بنیادی عقیدہ کی جگہ مادہ وحرکت، مادہ کو انہوں نے سائنس کا پس منظر اور بنیادی عقیدہ قرار دیا۔

الحادی سائنس | جسکی وجہ سے الحادی سائنس ظہور میں آئی، اور اس نے مفید مصنوعات کیساتھ مہلک اور تباہ کن اسلحہ اور اخلاق حمیدہ کی جگہ مفاد پرستی اور صداقت اور سچائی کی جگہ نفاق جھوٹ مکروفریب دغابازی اور دھوکہ دہی، عدل کی جگہ ظلم اور خونریزی کی تباہ کاریوں کو جنم دیا جس نے سائنس کی افادیت کو ختم کیا، اور بے سائنس دنیا میں جو امن وانصاف اور عدل اور انسانی شفقت موجود تھی۔ سائنس کی دنیا میں اس کا نام ونشان بھی باقی نہ رہا۔

قرآن اور سائنس | سائنسی قوانین کی دریافت عقل استقرائی اور تجربی کاوشوں سے کرتی ہے۔ اس لئے جب تک انسانی عقل کو حریت اور آزادی نصیب نہ ہو، نہ وہ سائنس

کیطرف متوجہ ہوسکتی ہے۔ اور نہ سائینسی قوانین کی دریافت کا سلسلہ جاری ہوسکتا ہے، اور نہ سائینس کا علم وجود میں آسکتا ہے۔ اور سائینس کے تمام مرحلے بند ہو جاتے ہیں۔ سائینس کے چار مرحلے ہیں۔ ۱۔ تجربہ ۲۔ مشاہدہ ۳۔ اخذ نتائج ۴۔ تنظیم نتائج، سائینسدان تجربہ کے ارادہ سے وہ یا خود کائنات کے حالات کے قریب جاتا ہے، یا اپنے کارخانہ میں مصنوعی طور پر حالات وواقعات پیدا کرکے تجربہ کرتا ہے۔ اور تجربہ کا مقصد مشاہدہ ومطالعہ حالات ہوتا ہے۔ پھر ان حالات سے نتائج اخذ کرتا ہے۔ پھر ان نتائج کو منظم کرکے ان کو ایک سائینسی قانون اور ضابطے کے قالب میں ڈالتا ہے۔ اس تمام کارروائی کے لئے عقل کی آزادی اور سائینسی حقائق کی افادیت کا یقین ضروری ہے، کیونکہ عقل دراصل سائینس کا سرچشمہ ہے۔

مسیحیت میں عقل کی آزادی اور سائینسی حقائق کی دریافت پر کڑی پابندی تھی اور سائینسی دریافت پر سائینسدان مجرم گردانا جاتا تھا۔ اور اس کو شدید سزا دی جاتی تھی۔ لہذا پولس اور سینٹ پال والی مسیحیت جو یورپ کا مذہب تھا۔ اسلام کے داخلہ یورپ کے زمانہ سے قبل صدیوں تک سائینس سے محروم رہا۔ سپین، سسلی اور اٹلی کی راہ سے جب اسلام وہاں داخل ہوا تو لوتھر جیسے اشخاص پیدا ہوئے۔ اور یورپ نے مسلمان سائینسدانوں سے سائینس حاصل کرنا شروع کیا۔ مصنوعی مسیحیت میں عقل اور سائینس پر پابندی اور اسلام میں آزادی کا بڑا سبب یہ تھا کہ تقریباً ایک دو صدیوں کے بعد اصلی مسیحیت باقی نہیں رہی۔ پولس یہودی اور سینٹ پال نے نئی مسیحیت بنائی، اور اسکو اصلی مسیحیت قرار دیکر پیش کیا، جسکے بنیادی عقائد عقل کے خلاف تھے۔

مثلاً یہ کہ مسیح انسان کامل بھی ہے اور اللہ کامل بھی۔ اور یہ کہ باپ بیٹا اور روح القدس تین بھی ہیں۔ اور ایک بھی یا یہ کہ مسیح کے مصلوب ہونے سے تمام گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ کیونکہ خدا نے مسیح کی شکل میں مصلوب ہوکر تمام مسیحیوں کے گناہوں کی سزا خود بھگت لی اور مسیحی نجات پاگئے، ان بنیادی عقائد کو وہی مان سکتا ہے جو عقل سے دست بردار ہو۔ اس لئے مسیحیت محرفہ کے لئے عقل پر پابندی لگانا ضروری ہوا۔ تاکہ ان عقائد کی نامعقولیت کا راز افشانہ ہو۔ لیکن مسیحیت کے برخلاف اسلام نے بنیادی عقائد کے اثبات میں مثلاً وجود باری تعالیٰ، صفات باری، توحید باری، مسئلہ نبوت مسئلہ معاد جو اسلام کے بنیادی عقائد ہیں سائینسی دلائل سے کام لیا ہے، اور سائینسی دلائل کیطرف انسان کو متوجہ کرکے ان مسائل کی صداقت ذہن نشین کرائی جس کی تحقیق اپنی جگہ پر آئے گی۔

قرآن اور آزادئ عقل | قرآن نے اپنے ماننے والوں کو متوجہ کیا، کہ وہ عقل سے کام لیکر

اسکو استعمال کرے صرف سائینس اور کونی علوم میں نہیں بلکہ دینی علوم وحقائق میں بھی عقل سے کام لیں۔ تاکہ ان کی معقولیت ذہن نشین ہو سکے، یہی عقل توجہ دینی اور دنیوی علوم کا سرچشمہ بنی اور اسی سے دونوں علوم کے دروازے کھلتے گئے۔ سورۂ رعد میں ارشاد ہے: اِنّ فی ذالک لآیاتٍ لقومٍ یتفکرون۔ یعنی قرآن کے گذشتہ بیان کردہ مضامین میں دلائل ہیں۔ اس قوم کے لئے جو عقل وفکر کو کام میں لاتی ہو۔ سورۂ مومنون میں ہے: اِنّ فی ذالک لآیاتٍ لِقومٍ یعقلون۔ یعنی ان مضامین میں دلائل ہیں اس قوم کے لئے جو عقل استعمال کرتی ہیں۔ اِنّآ انزلناہُ قرآناً عربیاً لعلکم تعقلون۔ (سورۂ یوسف) ہم نے قرآن اتارا عربی زبان میں تاکہ تم عقل سے کام لیکر اس کو سمجھو۔ ایسی بیسیوں آیات قرآن میں موجود ہیں، جن میں عقل کو دعوت دی گئی ہے کہ وہ قرآنی حقائق کو عقل کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کریں۔ ان آیات کے ذریعہ عقل کے جمود اور تعطل کو توڑنا مقصود تھا۔ تاکہ وہ دینی اور سائنسی حقائق جو مظاہر قدرت الٰہیہ ہیں۔ دونوں کو عقل کے نور سے سمجھ لیں کیونکہ خدا کا قانونِ شریعت اور قانون قدرت باہم مربوط ہیں۔ اور ایک دوسرے کے موئد ہیں، مخالف نہیں۔ علوم کونیہ اور سائینسی حقائق کیطرف بھی دینی حقائق کے بیان کے ضمن میں قرآن نے خصوصی توجہ دلائی ہے، عمومی رنگ میں بھی اور خصوصی انداز میں بھی یہاں تک کہ قرآن نے سائینسی علوم کے اہم شعبوں کیطرف بھی اجمالی رنگ میں خاص توجہ دلائی ہے ــ اور تفصیلات اس لئے بیان نہیں کی۔ کہ قرآن کے اصلی موضوع بحث وہ دینی حقائق ہیں، جو سائینسی سرحد سے خارج ہیں۔ اور جو موافق عقل ہونے کے باوجود عقل کی دسترس سے بالاتر ہیں۔ برخلاف سائینسی حقائق کے کہ وہ عقل حواس اور تجربے سے معلوم ہو سکتے ہیں، صرف عقل کو ان کی طرف متوجہ کرنا ضروری تھا، تاکہ خالق کائنات نے کائنات میں نفع انسانی کے لئے فوائد ومنافع کا جو بے پناہ ذخیرہ رکھا ہے۔ سائینسی تحقیق کے ذریعہ انسان اس سے استفادہ کرکے اللہ کی معرفت اور محبت اور عظمت دل پر نقش کرکے اس کا ممنونِ احسان ہو۔

عمومی سائینس | قرآن حکیم نے جہاں مومنین کا یہ وصف بیان کیا ہے کہ وہ اٹھتے بیٹھتے اور لیٹتے خدا کا ذکر کیا کرتے ہیں۔ وہاں اُن کا یہ وصف بھی بیان کرتا ہے، کہ وہ کائنات کی تخلیق پر غور وفکر بھی کرتے ہیں جس میں کائناتی اور سائینسی علوم کی ترغیب پائی جاتی ہے۔ الذین یذکرون اللہ قیاماً وقعوداً وّعلیٰ جنوبھم ویتفکرون فی خلق السموات والارض ربنا ما خلقت ھٰذا باطلاً سبحانک فقنا عذاب النار۔ (آل عمران) وہ یاد کرتے ہیں اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ

پر لیٹے اور فکر کرتے ہیں آسمان اور زمین کی پیدائش میں، کہتے ہیں اے رب ہمارے تونے یہ عبث نہیں بنایا، تو سب عیبوں سے پاک ہے، ہم کو بچا دوزخ کی آگ سے، اس آیت میں تنزلی سائنس سے ہٹا کر انسان کو ترقی یافتہ سائنس کیطرف متوجہ کیا گیا، وہ یہ کہ سائنس مظاہر قدرت الٰہیہ کا مطالعہ و مشاہدہ ہے۔ اس لیئے مطالعہ کے نتیجہ میں صرف دنیاوی فوائد پر قناعت نہ ہونی چاہیئے بلکہ مصنوعات کے اندر حکیمانہ قوانین کی دریافت سے معرفت صانع کیطرف متوجہ ہونا ضروری ہے، تاکہ سائنسی کاوشیں یادِ الٰہی اور یادِ آخرت پر منتج ہوں۔ اور سائنس کے ذریعہ جسم و روح دونوں کی ترقی کا سامان مہیا ہو سکے۔ صرف مادی اور جسمانی فوائد سے عالمی خوشحالی پیدا نہیں ہو سکتی۔ بقول اکبر ؎

ترقی مستقل وہ ہے جو روحانی ہو اے اکبر اڑا جو ذرۂ عنصر وہ پھر سوئے زمین آیا

یہ عجیب بات ہے کہ یہ فطری ضابطہ ہے کہ فعل و مصنوع کی عظمت سے فاعل اور صانع کی عظمت کا اثر دماغ پر پڑتا ہے۔ اچھی تصنیف سے عظمتِ مصنف اچھی کتابت سے کاتب کی بلندی، اچھے شعر و عمارت سے شاعر و معمار کی خوبی اور عقیدت دل پر نقش ہوا کرتی ہے، لیکن بیسویں صدی کی تنزلی اور الحادی سائنس اس فطری نتیجہ کے خلاف خدا سے دوری کا سامان مہیا کرتی ہے، اور سابق جو کچھ عظمت اور محبتِ الٰہی دل میں ہوتی ہے، وہ بھی ختم ہو جاتی ہے۔ حسب ارشادِ قرآن واضله الله علیٰ علمه۔ کہ علم ابلیس کے لیئے بجائے معرفتِ الٰہی کے گمراہی کا سامان بن جاتا ہے۔ اس لیئے قرآن نے معرفتِ الٰہی کے ضمن میں مطالعۂ مخلوقات پر زور دیا ہے، لیکن اس کے ساتھ سائنس کو مسلمان کرنے کا سامان بھی فراہم کیا، سائنس اور تحقیقِ کائنات کو صرف دنیاوی فوائد کا ذریعہ مت سمجھو بلکہ کائنات اور کائناتی تحقیقات کو آئینہ یادِ الٰہی اور آخرت بناؤ تاکہ دنیاوی فوائد کیساتھ تم میں روح کی پاکیزگی اور اپنے خالق سے ربط بھی پیدا ہو۔ فوائد کائنات نتائج ہیں خدا کے حکیمانہ قوانین کے اور مادہ صرف ان کے ظہور کا آلہ ہے نہ کہ فاعل اور خالق، اندھا اور مردہ مادہ ان نتائج کو نہیں پیدا کر سکتا۔ افمن یخلق کمن لا یخلق۔ (قرآن) کیا جو پیدا کرنے والی ذات ہے اس کے ساتھ وہ چیز برابر ہو سکتی ہے جو تخلیق سے عاجز ہو، اس لیئے یہ ضروری ہے کہ سائنس کا طرزِ تعلیم ایمانی سانچے میں ڈالنا ضروری ہے کہ نتائج کا انتساب اصل فاعل یعنی خالق کو کر دیا جاوے۔ اور مادہ صرف سبب کے درجہ میں رکھا جائے۔ تاکہ سائنس ایمان خیز ہو نہ کہ الحاد انگیز، عمارت کی تخلیق معمار سے ہے نہ کہ اس کے مادہ اور ملبہ سے۔ بقول عارف جامی ؎

چو بینی کار او در کارگہ آر قیاس کارگہ از کار بردار

اور بقول سعدی شیرازی ؎

برگ درختانِ سبز در نظر ہوشیار ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

ربنا ما خلقت ھذا باطلا۔ کا معنی ہے کہ مخلوقات کی تخلیق عبث نہیں بلکہ دنیوی فوائد اور معرفت خداوندی اور معرفت آخرت کا ذریعہ ہے۔

۲۔ ان فی خلق السموات والارض واختلاف اللیل والنھار والفلک التی تجری فی البحر بما ینفع الناس وما انزل اللہ من السماء من ماءٍ فاحیا بہ الارض بعد موتھا وبث فیھا من کل دابۃ وتصریف الریاح والسحاب المسخر بین السماء والارض لآیات لقوم یعقلون۔ (سورہ بقرہ ع ۲)۔ ترجمہ: بیشک آسمان و زمین کے پیدا کرنے ہیں اور رات دن کے بدلتے رہنے میں اور جہازوں میں جو لیکر چلتے ہیں سمندر میں کام کی چیزیں اور پانی میں جسکو اتارا اللہ نے آسمانوں سے پھر جلایا اس سے زمین کو اس کے مرنے کے پیچھے اور پھیلاتے اس میں سب قسم کے جانور اور بادل جو تابعدار ہیں اس کے حکم کا درمیان آسمان اور زمین کے بیشک یہ سب چیزیں نشانیاں ہیں عقلمندوں کے لئے۔

اس آیت میں عقل کو دعوت دی گئی ہے۔ کہ کارخانۂ حکمت کا مطالعہ کرے۔ سماویات ارضیات، زمانیات، لیل و نہار یعنی رات دن کی حکیمانہ تبدیلی کا اور بحریات اور کائنات جو میں ہواؤں کے ادل بدل کا بادل کی تنظیم و تنسیق کا بارش اور نباتات وحیوانات کا، کیا ایسا منظم کارخانہ بے شعور اور اندھے مادہ کے وجود میں آسکتا ہے، یا مادہ اس کا تصور کر سکتا ہے، اور قائم رکھ سکتا ہے۔ اس میں مندرجہ بالا علوم سائینس کیطرف توجہ دلائی گئی، لیکن ایمانی اور ارتقائی رنگ میں اس سے خالق کائنات کی ذات صفات اور حکمتوں اور اسکی بے پناہ قدرت کا سبق سیکھ کر اسکی طرف جھکو یہی وہی بلند سائینس ہے، جو انسان کو خالق کائنات کی بلندی تک رسائی کا موجب ہے اور مادہ کی پستی سے اشرف المخلوقات کو اٹھا کر حقیقت کائنات کی اصلی روح یعنی ذات خداوندی تک پہنچاتی ہے۔

نباتاتی سائینس | وھو الذی انشأ جنات معروشات وغیر معروشات والنخل والزرع مختلفا اکلہ والزیتون والرمان متشابھا وغیر متشابہ کلوا من ثمرہ اذا اثمر وآتوا حقہ یوم حصادہ ولا تسرفوا انہ لا یحب المسرفین (انعام ع ۰) ترجمہ: اس نے پیدا کئے باغ جو ٹٹیوں پر چڑھائے جاتے ہیں، اور جو ٹٹیوں پر نہیں چڑھائے جاتے، اور کھجور کے درخت

اور کھیتی کہ مختلف ہیں ان کے پھل اور زیتون اور انار ایک دوسرے کے مشابہ اور جدا جدا کھاؤ اس کے پھل میں سے جب پھل آئے اور ادا کرو ان کا حق جس دن ان کو کاٹو، اور بے جا خرچ نہ کرو، اللہ کو ناپسند ہیں بے جا خرچ کرنے والے۔

اس آیت میں اللہ نے علم نباتات کی طرف توجہ دلائی ہے، جو مظہرِ قدرتِ الٰہی ہیں، پانی اور مٹی ایک ہے ان سے اللہ نے رنگ برنگ کے پودے اور میوے پیدا کئے جن کے رنگ اور شکل اور مزے مختلف ہیں۔ جو اللہ کے عظیم حکمتوں کی معرفت کے خزانے ہیں۔ چونکہ یہ خدا کی قدرت کی کارستانی ہے، اس لئے اللہ نے زمینی پیداوار کے سلسلے میں دو پابندیاں لگا دیں ایک منفی کہ اس کو بے جا صرف نہ کرو اور ایک مثبت کہ ان میں اللہ کی طرف سے جو محتاجوں کا حق ہے اس کو پہلے دن ادا کر کے ان کو پہنچا دو۔

انسانی سائنس ولقد خلقنا الانسان من سلالۃ من طین ثم جعلنا نطفۃ فی قرار مکین ثم خلقنا النطفۃ علقۃ فخلقنا العلقۃ مضغۃ فخلقنا المضغۃ عظاما فکسونا العظام لحما ثم انشأناہ خلقا آخر فتبارک اللہ احسن الخالقین۔ (سورہ مومنین پارہ ۱۸)

ترجمہ: ہم نے بنایا آدمی کو منتخب مٹی سے پھر ہم نے رکھا اس کو پانی کی بوند ایک جمے ہوئے ٹھکانے میں پھر بنایا اُس بوند کو لہو جما ہوا، پھر بنایا اس سے گوشت کی بوٹی، پھر بنایا اس گوشت سے ہڈیوں کو، پھر پہنایا اُن ہڈیوں پر گوشت پھر بنایا اس کو ایک نئی صورت یعنی روحِ حیات پھونک کر ایک جیتا جاگتا انسان بنایا، سو بڑی برکت ہے اللہ کی جو سب سے بہتر بنانے والا ہے جس نے موزوں صورت اور مرتب اور مناسب قوتیں اس میں رکھیں یعنی انسان کا یہ وجود اس کا ذاتی نہیں بخشش قدرت ہے چنانچہ موت آکر سب نقشہ بگاڑ دیتی ہے۔۔۔۔ اس آیت میں اللہ نے علم الانسان اور علم الجنین کی طرف توجہ دلائی جو اللہ کی قدرت و حکمت کا آئینہ ہے۔

فضائی اور جوی سائنس الم تر ان اللہ یزجی سحابا ثم یؤلف بینہ ثم یجعلہ رکاما فتری الودق یخرج من خلالہ وینزل من السماء من جبال فیھا من برد فیصیب بہ من یشاء ویصرفہ عن من یشاء یکاد سنا برقہ یذھب بالابصار یقلب اللہ اللیل والنھار ان فی ذالک لعبرۃ لاولی الابصار۔ (سورہ نور پارہ ۱۸) ترجمہ: تو نے دیکھا کہ اللہ ہانک کر لاتا ہے بادل کو پھر اُن کو ملا دیتا ہے پھر اُن کو رکھتا ہے تہ بر تہ پھر تو دیکھے مینہ نکلتا ہے اس کے بیچ سے اور اتارتا ہے

آسمان سے جو اس میں بادل کے پہاڑ ہیں، اولوں کو پھر وہ ڈالتا ہے جس پر چاہے، قریب ہے کہ اسکی بجلی کی روشنی لیجائے نگاہوں کو، اس میں دھیان کرنے کی جگہ ہے صاحب نظر لوگوں کو۔

اس آیت میں کائنات جو اور فضائی مظاہر قدرت کیطرف توجہ دلائی گئی کہ اللہ نے انسان حیوانات اور نباتات کی زندگی کے لئے کیا پر حکمت نظام قائم کیا ہے، جو فضا میں ہے۔ اور انسانی قدرت سے بالاتر ہے۔ سائنسی تحقیق کے مطابق اگر پاکستان و ہندوستان پر صرف دس منٹ مصنوعی بارش برسائی جائے تو پانی کو بخارات میں تبدیل کرنے کے لئے نو سے کھرب ٹن کوئلہ خرچ ہوگا۔ ایک ٹن کی قیمت ساٹھ روپے ہے ـــــ اس لحاظ سے مجموعی قیمت ۵۴ پدم ہے۔ اور یہ رقم دونوں ملکوں کی سالانہ آمدنی سے سولہ ہزار گنا زیادہ ہے۔

حیوانی سائنس | واللہ خلق کل دابۃ من ماء فمنھم من یمشی علی بطنہ ومنھم من یمشی علی رجلین ومنھم من یمشی علی اربع یخلق اللہ ما یشاء ان اللہ علی کل شیئ قدیر۔ (سورہ نور پارہ ۱۸) ترجمہ: اللہ نے بنایا ہر پھرنے والے جاندار کو کوئی چلتا ہے پیٹ پر کوئی چلتا ہے دو پاؤں پر کوئی چلتا ہے چار پاؤں پر۔ بناتا ہے اللہ جو چاہتا ہے بیشک اللہ ہر چیز کر سکتا ہے۔

اس آیت میں علم الحیوانات کے سائنسی علم کیطرف اشارہ ہے، کوئی پیٹ پر چلتا ہے مثلاً سانپ اور مچھلی کوئی دو پاؤں پر مثلاً انسان اور پرندے، کوئی چار پر جیسے مویشی اور درندے۔ اللہ چاہے تو زیادہ بھی بنا سکتا ہے۔

جماداتی و معدنیاتی سائنس | وانزلنا الحدید فیہ باس شدید ومنافع للناس۔ ترجمہ ہم نے فولاد پیدا کیا ہے آلات جنگ و دیگر نفع بخش مصنوعات جس سے تیار ہو سکتے ہیں، اس میں علم المعدنیات اور اس کے فوائد کیطرف اشارہ ہے۔ لوہا چونکہ سب معدنیات میں سے زیادہ کارآمد ہے اس لئے اس کا خصوصی طور پر ذکر کیا۔

ان مذکورہ آیات میں قرآن نے اپنے اصل موضوع اثبات الوہیت و توحید کو ذہن نشین کرنے کے لئے جن کائنات کو بطور دلیل پیش کیا، وہ سب سائنسی کائنات ہیں، جس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ معرفت خداوندی جو اسلام کی بنیاد ہے اس کے لئے معرفت کائنات کی ضرورت ہے۔ معرفت کائنات کا سطحی علم تو صرف مشاہدہ سے حاصل کیا جا سکتا ہے، لیکن کائنات کی گہری حکمت اور عمیق معرفت کے لئے کائنات کا تجرباتی اور استقرائی علم کا حاصل کرنا ضروری ہے۔

جسکو سائنس کہا جاتا ہے، سائنس کے تمام شعبوں کیطرف مذکورہ آیات میں توجہ دلائی گئی ہے۔ فلکیات، فضائیات، بحریات، معدنیات، نباتات، حیوانات، انسان جو تقریباً اصولی رنگ میں تمام شعبہائے سائنس پر حاوی ہے، کل شعبہائے سائنس ان چھ اقسام سائنس میں درج ہیں، اور انہی کی جزئیات ہیں۔

سائنس کے لئے بنیادی عقیدہ اس میں شک نہیں کہ سائنس کے لئے بنیادی عقیدہ کی ضرورت ہے جسکی بناء پر سائنسی ضوابط کو مرتب کیا جائے، کیمونسٹ ملکوں کی سائنس اشتراکی عقیدہ پر مبنی ہے اور پوری سائنس کا محرک یہی عقیدہ ہے۔ اور زندگی کے تمام اعمال پر اسی عقیدہ کا رنگ حاوی ہے، یورپ اور مغربی بلاک کی سائنس بھی ایک بنیادی عقیدے پر مبنی ہے وہ یہ ہے کہ خدا کو ماننے کے باوجود مغربی بلاک نے سائنسی دنیا سے عقیدۂ خدا کو خارج کر دیا ہے، اور تمام سائنسی تحقیقات کو مادہ اور حرکت مادہ سے وابستہ کر دیا ہے، دونوں بلاکوں یعنی کیمونسٹ بلاک اور مغربی بلاک نے اگرچہ حقیقی خدا کو سائنس سے خارج کر دیا ہے۔ لیکن فی الحقیقت ہر ایک نے ایک مصنوعی خدائی عقیدہ کو سائنس کیلئے سنگ بنیاد قرار دیا جس سے واضح ہو گیا کہ سائنس کے لئے ہر حال میں ایک بنیادی عقیدہ کی ضرورت ہے خواہ وہ عقیدہ حقیقی خدا کو ماننے کا عقیدہ ہو یا مصنوعی خدا ماننے کا۔ کیمونسٹ بلاک کا مصنوعی خدا مارل مارکس یا اسکی اشتراکیت ہے۔ اور مغربی بلاک کا مصنوعی خدا مادہ اور حرکت مادہ ہے، اگرچہ وہ خدا کو مانتے ہیں لیکن کائنات سے انہوں نے خدا کو بے دخل قرار دیا ہے، اور تمام کائنات ایٹمی ذرات یا برق پاروں اور ان کی حرکت کے مظاہر ہیں، یہی بنیادی غلطی ہے جس نے انسان کو ایمانی سائنس سے محروم کر کے الحادی سائنس کے جہنم میں دھکیل دیا ہے اور اسی بنیادی عقیدہ کی غلطی سے سائنس انسان کے لئے مہلک اور تباہ کن چیز بن گئی اور اسکی تباہ کاری میں مزید اضافے کی سرگرمیاں جاری ہیں۔ اس لئے انسان کا فرض ہے کہ وہ موجودہ سائنس کی تشکیل جدید کرے تاکہ الحادی سائنس ایمانی سائنس میں تبدیل ہو کر اس کے زہر کو تریاق میں تبدیل کر دیا جا سکے۔

موجودہ سائنس کی غلط بنیاد اور اسکی اصلاح سائنسی کارروائیوں کو مصنوعی خدا کے عقیدہ سے وابستہ کرنا اور حقیقی خدا سے ان کو الگ کرنا خطرناک غلطی ہے۔ کیونکہ اساسی عقیدہ اس صورت میں سائنس کا مخدوم اور محرک بن جاتا ہے اور سائنسی قوانین اسی عقیدہ کے خادم بن جاتے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ مصنوعی خدا اشتراکیت ہو، یا مادیت ہو۔ ایک زمینی اور سفلی حقیقت ہے حقیقی خدا کی طرح ایک پاکیزہ بین العالمی حقیقت نہیں۔ اس لئے اس غلط اساس پر جس سائنس کی بنیاد رکھی

گئی ہو، وہ بھی سفلی اور زمینی مقاصد کو بروئے کار لائے گی اور سائینس کی تمام قوت اس قوم کو سربلند کرنے اور اس کے علاوہ دیگر اقوام کو ذلیل اور کچل دینے میں صرف ہوگی اور بلند اخلاق اور حقیقی عدل و انصاف جس کا سرچشمہ حقیقی خدا کا عقیدہ ہے وہ فنا ہو جائے گی اور دنیا جھوٹ مکر و فریب، نفاق اور مفاد پرستی، خود غرضی کا جہنم کدہ بن جائے گی، اور ہر قوم اپنی مادی اغراض اور مفادات کی تکمیل کے لئے سائینس کے اسلحہ سے مسلح ہو کر دیگر اقوام پر غلبہ پانے اور ان کو تباہ کرنے میں ہر پابندی سے بے نیاز ہو کر کمزور قوموں پر چڑھ دوڑیگی اور دنیا کسی وقت بھی ظلم اور انسان کشی خونریزی اور عالمی فساد کے محبوب مشغلہ سے فارغ اور خالی نہ ہو سکے گی۔ یہاں تک کہ سائینس اپنی آخری تباہ کن قوت جوہری بم استعمال کر کے انسان، انسانی آبادی، انسانی تہذیب و تمدن کو خاکستر بنا کر دم لیگی، گذشتہ دو عالمی لڑائیاں اور افریقہ ایشیا و یورپ میں بیسیوں چھوٹی لڑائیاں جو اس وقت تک جاری ہیں اور عالمی لڑائی کا سبب بن سکتی ہے، یہ سب اس الحادی سائینس کے مہلک نتائج ہیں، جو سب کے سامنے ہیں اور سائینس کے غلط بنیادی عقیدہ کے ثمرات ہیں، جنکی مستقبل میں اصلاح کی امید بہت کم ہے۔ جہالت سے پیدا شدہ گمراہی کا ازالہ آسان ہے، لیکن تعلیمی اور غلط بنیاد پر قائم کردہ سائینسی علوم سے پیدا شدہ گمراہی ناقابل علاج ہے۔ یہ صرف ہمارا خیال نہیں بلکہ یورپ کے مدبر افراد بھی اس کو محسوس کرتے ہیں۔ جدید گمراہیاں الحادی سائینس کی وجہ سے قدیم گمراہیوں سے بہت زیادہ ہیں۔ دور جاہلیت اس دور تہذیب سے بلحاظ امن اخلاق انصاف محبت انسانی کے زیادہ بلند تھا۔

۱۔ برٹ فالٹ لکھتا ہے ہماری موجودہ تہذیب اپنے قومی معاشی عائلی اخلاقی مذہبی ذہنی نظام کے ہر شعبے میں حماقت جہالت اور فریب کا مستقل مظاہرہ ہے۔

۲۔ مارشل پتیاں نے ۲۲ جون ۱۹۴۰ء کی شام ۹½ بجے ریڈیو پر تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے پاس گذشتہ جنگ عظیم کی نسبت اسلحہ جنگ افواج و دیگر وسائل بہت زیادہ تھے۔ حلیف سلطنتیں بھی تعداد میں کافی تھیں اور پھر ہم ہار گئے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس شکست کی وجوہات کیا ہیں، وہ یہ ہیں کہ ہمیں شکست ہٹلر نے نہیں دی بلکہ اپنے نوجوانوں نے دی جن کا کام کھانا پینا اور عیش اڑانا تھا۔ بعض کا خیال ہے کہ ہماری شکست کے اسباب تین "ڈال" ہیں۔ ڈرنک، ڈانس، ڈنر۔

۳۔ برنڈ لکھتا ہے سائینسی تہذیب نے قدیم اقدار اور اخلاق ختم کئے اور اس

خلار کو اور کسی چیز نے پُر نہیں کیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا کے ایک بڑے حصے پر تعمیری قوتوں کی بجائے تخریبی قوتیں چھا چکی ہیں۔

۴۔ ڈاکٹر برہنٹر لکھتا ہے، اسی سائینسی تہذیب کے دور میں انسانی اقوام کی حالت بالکل عہدِ طفولیت کی سی ہے۔ جس میں بچہ ہر اس پابندی کو توڑنے کی کوشش کرتا ہے جو اس کے جذبات کے راستے میں حائل ہوں۔ اسی حالت کے متعلق اقبال مرحوم نے درست کہا ہے کہ تہذیبِ جدید کے علمبردار کی زبان پر نعرۂ امن ہے، لیکن الحادی سائینس سے جس دل و دماغ کی تعمیر ہوئی، وہ جنگ اور خونریزی کے لئے بیتاب ہے۔

گرگے اندر پوستین برۂ　　　　ہر زمان اندر تلاشِ برۂ

مشکلاتِ حضرتِ انسان از وست

آدمیت را غمِ پنہاں از وست

یورپ بھیڑیا ہے جس نے بھیڑ کا لباس پہن رکھا ہے۔ اور ہر وقت کمزور قوم یعنی بھیڑوں کے شکار کرنے کی تلاش میں ہے، پھر اللہ سے مکالمہ کی شکل میں کہتا ہے کہ خدا نے کہا ہے

گفتا کہ جہانِ ما آیا بتو می سازد　　　　گفتم کہ نمے سازد گفتند کہ برہم زن

کہ موجودہ تہذیب کی دنیا تمہیں موافق ہے، میں نے کہا کہ نہیں، کہا کہ اس کو ملیامیٹ کر دو یہاں تک کہ ایک شعر میں صاف کہا ہے

تا تہ و بالا نہ گردد این نظام　　　　دین و دانش جملگی سودائے خام

وفات سے قبل چار بجکر ۱ منٹ ۱۹۳۸ء کو اقبال نے اسلامی سائینس کی ترغیب ان اشعار میں دی اور پھر وفات پا گئے

حکمت اشیاء فرنگی زادہ نیست　　　　اصل او جز لذت ایجاد نیست

نیک اگر بینی مسلمان زادہ است　　　　این گہر از دست ما افتادہ است

چوں عرب اندر اروپا پا کشاد　　　　علم و حکمت را بناء دیگر نہاد

دانہ آں صحرا نشیناں کاشتند　　　　حاصلش افرنگیاں برداشتند

این پری از شیشۂ اسلاف ماست　　　　باز صیدش کن کہ او از قاف ماست

خلاصہ یہ ہے کہ سائینس کی بنیاد عرب مسلمانوں نے ڈالی اور ایمانی بنیاد پر ڈالی، لیکن فائدہ یورپ نے اٹھایا، جسکی بڑی وجہ یہ تھی کہ مسلمان قبل از استفادہ غیر اقوام کے غلام بن گئے اور اپنی خانہ جنگی کیوجہ سے انہوں نے امن اور اپنے اقتدار کو کھو دیا۔ اسلئے انکو سائینس سے استفادے کی فرصت نہ مل سکی اور دیگر اشیا کیطرح ان کے سائینسی ورثہ پر بھی دشمن نے قبضہ کر لیا۔

٭ ٭ ٭

مولانا عبدالماجد دریابادی

لطف و نوازش اور عذاب سے چھوٹنے کی رات

خشک سیدھے سادھے لوگ بڑے کھرے مسلمان ساڑھے تیرہ سو سال پہلے کا دین و شریعت ان کا ایمان، ان بیچاروں کے ہاں نہ یہ نہ وہ، نہ آتشبازی نہ ٹیم ٹام، نہ حلوے توشہ کی دھوم دھام، چاند نظر آیا شعبان کا، کہ دھیان بندھ گیا رمضان کا۔ اب ہر وقت روزوں کی فکر و اہتمام، ماہ مبارک ہی کی پیشوائی کا انتظام اور جو ہمت یاوری کر گئی تو اسی مہینہ سے روزہ رکھنے شروع کر دئے کہ ہمارے آقا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور یہی تھا۔ خدمت میں رہنے والے صحابیوں کا بیان ہے کہ روزے تو آپ جب تب رکھا ہی کرتے تھے لیکن شعبان تو کہنا چاہیئے کہ روزوں ہی کی نذر ہو جاتا تھا، اور خود اس سرور و سردار نے فرمایا بھی تو ہے کہ رمضان میرے اللہ کا مہینہ ہے اور شعبان خود میرا مہینہ ہے، رمضان کا مہینہ تو ظاہر ہے، لیکن کیا کہنے ہیں اس مہینے کے بھی جسے اللہ کے رسول اپنا مہینہ فرمائیں۔

خیر یہ سارے مہینہ کے روزے رکھ ڈالنا تو ہمت والوں کا کام ہے، باقی اتنی ہمت نہ ہوئی، جب بھی مہینہ میں کم از کم ایک روزہ پندرہ شعبان کو تو رکھ ہی لیا، چودہ کا دن ختم ہوا اور پندرھویں شب آئی کہ مصلی دعا و عبادت کا بچھا کر بیٹھ گئے، خواہ مسجد میں خواہ گھر میں آج کی رات برکت والی رحمت والی مغفرت والی رات ہے، شریعت کی زبان میں لیلۃ البراۃ ہے اور برات کے معنیٰ نجات کے قید سے چھوٹنے کے عذاب سے آزاد ہونے کے ہیں۔ لطف و نوازش کی دولت لٹتی ہر رات کو ہے آج اور زیادہ لٹے گی۔ رحمتوں کا نزول ہونا ہر رات کو ہے آج اور زیادہ رہیگا۔ مانگنے والے آج خوب خوب مانگیں گے پانے والے آج خوب خوب پائیں گے، نمازیں پڑھتے تو ہر رات کو تھے آج اور زیادہ پڑھیں گے۔ نفلوں کی تعداد آج معمول سے بڑھا دیں گے۔ رات کے

زیادہ سے زیادہ حصے جاگ کر بسر کریں گے، نیند اڑائیں گے، داستانیں سن سن کر نہیں، ناٹک، سوانگ، اپیرا دیکھ دیکھ کر نہیں، گلے کی تانوں اور باجے کی الاپوں میں گم ہو ہو کر نہیں۔ نمازیں پڑھیں گے، قرآن مجید کی تلاوت کریں گے، دعائیں مانگیں گے۔ اپنے لئے بھی دوسروں کے لئے بھی، زندوں کے لئے بھی مردوں کے لئے بھی۔

عشاء کے بعد گشت کو نکل جائیں گے۔ گشت بازاروں کا تماشاگاہوں کا، سیر و تفریح کی دوکانوں کا نہ ہوگا، قبرستانوں کا ہوگا، جی ہاں، آدھی رات کے سناٹے میں ویران اور سنسان قبرستانوں کا ہوگا۔

ہم سب کی مائی عائشہ بیان کرتی ہیں کہ پندرھویں تاریخ شب میں میری آنکھ کھلی تو کیا دیکھتی ہوں، کہ میرے اور سب کے والی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ رہے ہیں، آہستہ آہستہ کہ جاگ نہ پڑوں آہستہ چلے، آہستہ کیواڑ کھول باہر قدم مبارک رکھے آہستہ مجھے حیرانی ہوئی اور بدگمانی بھی، کہ کہیں کسی دوسری بیوی صاحبہ کے ہاں تو ارادہ نہیں ہے چپکے سے اٹھ دبے پاؤں پیچھے ہولی، آپ آگے آگے، آپ کے پیچھے پیچھے میں۔ دیکھتی ہوں کہ آپ شہر کے باہر مدینہ کے مشہور قبرستان بقیع میں پہنچے اور کھڑے ہوکر لگے میتوں کے حق میں التجائیں کرنے۔

اللہ اللہ ساری خلقت نیند کے مزے لے رہی ہے، اور ایک اللہ کا بندہ بے نظیر بے مثال اپنا چین چھوڑے نیند سے منہ موڑے خالق کے حضور میں کھڑا مصروف ہے دعاؤں میں التجاؤں میں، مناجاتوں میں، اپنے آقا و سردار کے اسی طریقہ کی پیروی میں سیدھے سادھے مسلمان بھی آج رات کو نرم نرم بستروں کو چھوڑ کر نیند کے مزے سے منہ موڑ کر اپنے اپنے گھروں سے باہر نکلیں گے، یار دوستوں کے چہچہوں کے لئے نہیں غفلت کے قہقہوں کے لئے نہیں، عبرت کے آنسوؤں کیلئے، آہوں کے لئے، دعاؤں کے لئے، اس وقت کے سماں کا کیا کہنا، وہ پندرھویں کے پورے چاند کا نکھار، گویا آسمان سے زمین تک بارش انوار! وہ قبرستانوں کا سناٹا، وہ دلوں میں عبدیت کا احساس، وہ زندوں کا مردوں کے حق میں دعائیں کرنا لجاجت کے ساتھ منت و سماجت کے ساتھ، منظر اس سے بھی بڑھ کر مؤثر اور کونسا ہوگا، تعلق سننے سے نہیں دیکھنے سے ہے۔ اور دیکھنے سے بھی بڑھ کر خود عمل کرنے سے ہے۔

بندہ نواز کی بندہ نوازی جوشش میں اب بھی نہ آئے گی تو کب آئیگی۔ مانگنے والے اب کون بتائے کیا کیا پاتے ہیں، واپسی میں کیا کیا لاتے ہیں۔ گھر آئے تو کسی نے برائے نام سحری کھائی اور کسی نے یونہی ذری کی ذری کمر سیدھی کر لی فجر میں۔ اب دیر ہی کتنی اور تہجد بھلا آج کیوں ناغہ ہونے لگے صبح ہوگئی،

بقیہ صہ ۴۱ پر

جناب اختر راہی - بی اے

مکّہ ــــ بعثتِ نبوی سے پہلے

(ایک سیاسی جائزہ)

عہد نبوی سے قبل مکّہ کی سیاسی اہمیت رومی، ایرانی اور حبشی سلطنتوں کی اس باہمی آویزش سے واضح ہے جو ان میں مکّہ پر قابض ہونے کی خواہش سے پیدا ہوئی تھی، رومی شہنشاہوں کی یہ دلی آرزو رہی کہ کسی طرح مکّہ جیسے اہم کاروانی اسٹیشن پر قبضہ ہو جائے، چنانچہ آنحضرتؐ کے جدّ امجد قصی کی رومی قیصر نے مدد کی تھی تاکہ ان کے رئیسِ مکّہ ہونے کی وجہ سے رومی اثرات پھیلیں گے[۱] لیکن معلوم ہوتا ہے کہ قصی نے قبضے کے بعد رومی مفادات کو نظر انداز کر دیا اور خود مختاری برتنی شروع کر دی چند نسلوں کے بعد جب مکہ کے عثمان بن حویرث نے عیسائیت قبول کی تو رومی قیصر کو اپنا خواب شرمندۂ تعبیر ہوتا محسوس ہونے لگا، چنانچہ قیصر نے اُسے تاجِ شہر یاری سے سرفراز کیا اور ایک پروانہ دیا کہ وہ مکہ کی بادشاہت کے منصب پر فائز ہے، لیکن عرب کے آزاد منش بدو اس "تکلف" کو خاطر میں نہ لائے اور خود عثمان کے خاندان کے ہی ایک فرد نے اس بادشاہت کا اسقدر مضحکہ اڑایا کہ عثمان کو اپنے ارادے سے باز آنا پڑا اور بیزار ہو کر شام چلا گیا، قیصر نے انتقامی طور پر اپنی قلمرو میں اہل مکہ کا داخلہ بند کر دیا[۲]

ایرانیوں کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ یمن کی فتح (   ) کے بعد وہ اس خیالِ خام میں مبتلا تھے کہ مکّہ ان کی قلمرو میں شامل ہو چکا ہے، چنانچہ خسرو ایران نے ایک بار یمن کے گورنر کو لکھا کہ آنحضرتؐ کو ایران جا کر خسرو سے ملنے کی ہدایت کرے۔ بصورت انکار گرفتار کر کے مدائن روانہ کرے۔

اہل حبشہ کے سلسلے میں ابرہہ کا واقعہ مشہور ہے جس نے مکّہ کے معبد کو مسمار کرنے کے لئے ہاتھیوں کے ایک لشکر کے ساتھ حملہ کیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے لشکر کو کھایا ہوا بھس بنا دیا

---

[۱] معارف ابن قتیبہ بحوالہ عہد نبوی کا نظام حکمرانی ص ۱۷   [۲] الروض الانف۔ سہیلی ص ۱۴۶

اور یوں شکست خوردہ واپس ہوا[۱]

ان اہم تاریخی واقعات کے علاوہ عرب مؤلفین نے کئی اہم سفارتوں کا تذکرہ کیا ہے اور اہل مکہ کے مقتدر افراد کی رومی، ایرانی اور حبشی سلطانوں کے ساتھ ملاقاتوں کا ذکر کیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوئی نبوت پر قیصر روم نے ابوسفیانؓ (جو اس وقت اسلام نہیں لاتے تھے۔) ہی سے دریافت کیا تھا جو اس وقت وہاں موجود تھے۔ ہجرت حبشہ کے موقع پر جب مکہ والوں کا وفد حبشہ گیا اور مسلمان مہاجرین کی واپسی کا تقاضا کیا تو ان کے طرز عمل سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اہل مکہ کے تعلقات حبشہ سے قدیم زمانے سے رہے ہیں۔

سیاسی زندگی | عرب تاریخوں سے پتہ چلتا ہے کہ قصی کے دور سے پہلے مکہ ایک تجارتی شاہراہ پر واقع اہم اسٹیشن تھا، جہاں چلتے ہوئے قافلے کبھی کبھی رک جاتے۔ پھر معبد ابراہیمی ہونے کی وجہ سے لوگ زیارت کی غرض سے سفر کر لیتے لیکن کسی سیاسی نظام کا وجود نہیں تھا۔ زیادہ سے زیادہ چند تاجروں کی بستی تھی، جنہیں اپنے مال تجارت کو مہنگے داموں بیچنے اور نفع کمانے سے غرض تھی، لوگ قبائلی زندگی کے خوگر تھے لیکن اس میں بدویت کا پہلو بہت بھاری ہونے کی وجہ سے باہم لڑائی جھگڑوں اور قتل وغارت کے علاوہ کسی سیاسی تنظیم کا فقدان تھا۔

ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے قدیم یونانی شہروں اور مکہ میں ایک مماثلت بتائی ہے کہ یونانی شہر کے دو حصے "پولس" اور "استو" یعنی بلند و پست حصوں سے شہر ہوتے تھے۔ نامعلوم زمانے سے مکہ بھی دو حصوں میں بٹا ہوا تھا۔ "معلات" اور "مسفلہ" کسی دور میں ان دونوں کے نام "بکہ" اور "مکہ" تھا۔

زبور ۸۴ کی چھٹی آیت ہے:

"مبارک ہے وہ آدمی جس کی قوت تجھ سے ہے جس کے دل میں صیون کی شاہراہیں ہیں۔ وہ وادی بکا سے گزر کر اسے چشموں کی جگہ بنا لیتے ہیں۔"

اہل علم کے ایک گروہ نے "وادی بکا" سے "وادی مکہ" ہی لیا ہے۔ قرآن مجید میں بھی یہی لفظ استعمال ہوا ہے۔

ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ مبارکا۔ پہلا گھر جو لوگوں (کی عبادت کرنے) کے لئے

---

[۱] تفسیر سورۃ فیل۔

مقرر کیا گیا وہی ہے جو "بکے" میں ہے بابرکت (۳: ۹۶)

امام راغب اصفہانی (م ۵۰۲ ھ) نے "بکہ" کے تحت کئی اقوال نقل کئے ہیں۔ ایک قول ہے کہ "بکہ" سے اندرون مکہ مراد ہے، اور یہ "تباک" سے ماخوذ ہے جس کے معنی "ازدحام" اور "ہجوم" کے ہیں۔ چونکہ طواف کعبہ کی خاطر معبد کے گرد ہجوم رہتا ہے اسی مناسبت سے "بکہ" کا نام پڑا۔[۱] اسی طرح دوسرے مقام پر "مکہ" کا ذکر ہے۔

ترجمہ:- یہ وہی تھا جس نے انہیں تم پر حملہ کرنے سے وادیٔ مکہ میں روک دیا تھا"

ارزقی (م　　) نے "اخبار مکہ" میں صراحت کی ہے کہ "بکہ" وہ مقام ہے جہاں معبد تعمیر ہوا اور "مکہ" پوری بستی کا نام ہے۔

معززین "معلات" میں رہتے تھے اور شہر کی عبادت گاہ اور قبرستان بھی وہیں واقع تھے۔ قصی نے قبضے کے بعد اپنے رشتہ داروں کو وہیں آباد کیا۔ مکہ کے اطراف میں یونانی شہری ریاستوں کی طرح زمین تھی جسے "حرم" کہا جاتا تھا۔ اور تخمیناً یہ رقبہ سوا سو مربع میل تھا۔[۲]

سیاسی نظام | مکہ پر جرہمیوں کی حکومت تھی، قصی نے ان کے سردار کی بیٹی سے شادی کی اور جب وہ مرگیا تو اس کے وارث ہونے کا دعویٰ کردیا، قصی کا تعلق قبیلہ بنو قضاعہ سے تھا۔ چنانچہ اس قبیلے نے قصی کی مدد کی اور ابن قتیبہؒ کی روایت کے بموجب قیصر روم کی حمایت بھی حاصل تھی۔ اور قصی سرداری حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔

سر ولیم میور کی رائے کے مطابق قصی کی حکومت ۴۴۰ء میں قائم ہوئی[۳] اور قصی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے تقریباً سو سال پہلے فوت ہوئے اس لئے ان کی حکومت ۴۷۰ء تک قائم رہی ہوگی۔ علامہ سید سلیمان ندوی نے قصی کا وجود ۴۷۵ء تک بتایا ہے[۴]

قصی نے حدود شام میں تربیت پائی تھی۔ قریش اس وقت تک بدوی تھے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قصی نے تہذیب زندگی، نظم مملکت اور تاسیس قومیت کے اصول ملک شام ہی میں سیکھے اور جوانی میں حجاز آکر اسی اصول پر قریش کے منتشر اجزا کو یکجا کیا اور ان میں ایک چھوٹی

---

[۱] مفردات القرآن۔ امام راغب اصفہانی۔ زیر لفظ "بکہ"

[۲] رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی ص۳۹۔ ڈاکٹر حمید اللہ۔

[۳] LIFE OF MUHAMMAD ص۱۱

[۴] ارض القرآن ج ۲ ص۱۴۱۔

جمہوری ریاست کی بنیاد ڈالی[1]۔

اگرچہ قصی اس شہری ریاست کے تنہا حکمران تھے تاہم نظم ونسق کو بہتر طور پر چلانے کیلئے کئی جمہوری ادارے قائم کیئے گئے۔ چند نئے اداروں کی باگ ڈور قصی نے اپنے ہاتھ میں رکھی جس سے ان کا اقتدار مزید مستحکم ہوا۔ ڈاکٹر حمید اللہ نے قصی کے دور کے اکیس[21] شعبے گنائے ہیں لیکن کوئی سند نہیں دی[2]۔ ابن عبد البر نے صراحت سے دس سرداروں کا ذکر کیا ہے، لیکن سترہ انتظامی شعبوں کی نشان دہی کی ہے۔ مختصر یہ کہ ان جملہ شعبوں کے بارے میں مورخین کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے، لیکن اس امر پر سب متفق ہیں کہ مندرجہ ذیل پانچ شعبے پائے جاتے تھے:۔

۱۔ دارالندوہ (پارلیمنٹ)
۲۔ حجابہ (خانہ کعبہ کی دربانی وکلید برادری)
۳۔ سقایہ۔ (حاجیوں کے کھانے پینے کا انتظام)
۴۔ افادہ۔ (حاجیوں کی مالی امانت کا انتظام)
۵۔ لواء۔ جنگ

بعد میں کئی عہدوں کا اضافہ ہوا، حتیٰ کہ ظہورِ اسلام اور بعثتِ نبوی کے وقت کل چودہ عہدے تھے۔ جو دس عہدہ داروں میں منقسم تھے[3]۔

قصی کی وفات کے بعد مرکزیت ختم ہوگئی۔ آخر وقت میں قصی نے خود ہی اپنے بیٹوں میں عہدے تقسیم کر دئے تھے۔ اس کے بعد یہ مرکزیت دوبارہ پیدا نہ ہو سکی حتیٰ کہ اسلام کا سورج طلوع ہوگیا۔

اب ہم متذکرہ الصدر پانچ اہم شعبوں کی تفصیل بیان کرتے ہیں۔

دارالندوہ کی بنیاد قصی نے رکھی۔ اس کی اصل حیثیت ایوان حکومت کی تھی، اہم مسائل پر یہیں شوریٰ منعقد ہوتی اور قصی اسکی صدارت کے فرائض انجام دیتے تھے۔ دارالندوہ (عمارت) کعبہ کے شمال میں واقع ہے۔ اب حرم کی توسیع کے سلسلے میں اس طرف تعمیر کا کام شروع ہے اس لیئے دارالندوہ کا کچھ حصہ گرایا جا چکا ہے[4]۔

---

[1] ارض القرآن ج ۲ ص ۱۰۴　　[2] مسلمانوں کا نظام حکمرانی ص ۳۳

[3] ارض القرآن ج ۲ ص ۱۰۵　　[4] میرا سفر حجاز۔ الرحیم جنوری ۱۹۶۴ء

دارالندوہ میں صرف معمّر افراد ہی شرکت کرتے تھے۔ چنانچہ ارزقی نے بہ صراحت بیان کیا ہے کہ دارالندوہ کے اجلاسوں میں شرکت کے لئے کم از کم چالیس سال کی عمر ہونا ضروری تھا، لیکن شاہی خاندان کے افراد کے لئے یہ شرط نہیں تھی۔ عمرو بن ہشام (ابوجہل) تیس[۳۰] سال کی عمر میں اس ادارے کا سرگرم رکن تھا۔ حکیم بن حزام تو بیس سال کی عمر ہی میں اجلاسوں میں شرکت کرنے لگا تھا[۱]۔

دارالندوہ کے فرائض | ۱۔ مختلف نزاعات اور معاملات کا فیصلہ دارالندوہ میں ہوتا تھا۔ اس اعتبار سے یہ دارالقضا تھا۔

۲۔ اہم پیش آمدہ مسائل پر باہم تبادلہ خیال کیا جاتا تھا۔

۳۔ جب کوئی لڑکی جوان ہوتی تو اسے بے پردہ یہاں لایا جاتا تھا۔ اور علامت کے طور پر ایک قمیص پہنائی جاتی تھی۔ ڈاکٹر حمید اللہ نے اسکی وجہ یہ بتائی ہے کہ لڑکی کی بلوغت کا اعلان کر دیا جائے تاکہ خواہشمند رونمائی کے لئے آسکیں۔

۴۔ نکاح و تزویج کی رسم بھی یہیں ادا کی جاتی تھی۔

۵۔ دارالندوہ میں اعلان جنگ و صلح ہوتا اور جنگ کی صورت میں علم لہرایا جاتا تھا۔

۶۔ لڑکوں کے ختنہ کی رسم بھی دارالندوہ میں پوری کی جاتی۔

۷۔ تجارتی معاہدے بھی یہیں ہوتے۔

۸۔ بیرونی مہمانوں کی ضیافت و دعوت کا انتظام بھی دارالندوہ میں ہوتا۔

مندرجہ بالا فرائض کو دیکھتے ہوئے معلوم ہوتا ہے کہ دارالندوہ سماجی، سیاسی، دینی اور تجارتی سرگرمیوں کا مرجع تھا۔

فتح مکّہ تک دارالندوہ کام کرتا رہا۔ ہجرتِ نبوی سے پہلے آنحضرت کے قتل کا جو منصوبہ بنایا گیا تھا وہ یہیں سوچا گیا تھا۔ ظہور اسلام کے وقت عثمان بن طلحہ دارالندوہ کے مسئول تھے، وہی اجلاس و مشورہ کے وقت دروازہ کھولتے تھے، اجلاس منعقد کرواتے اور قریش کا علم لہراتے تھے۔ موجودہ دور کی اصطلاح میں عثمان بن طلحہ سپیکر (SPEAKER) کے فرائض انجام دیتے تھے۔ فتح مکہ کے بعد مشاورت کے لئے مساجد اور خانہ کعبہ کام میں لایا گیا اور "دارالندوہ" ایک یادگار پارینہ بن گیا۔

---

[۱] عہد نبوی کا نظام حکمرانی ص ۳۷

۲-۳ حجابہ وسقایہ | خانۂ کعبہ کی مسلم مذہبی اہمیت کی بنا پر ہر دور میں اسکی حفاظت وترقی کیلئے کوششیں جاری رہیں۔ حجابہ اور سقایہ کے دونوں شعبے اسی سے متعلق تھے۔
خانۂ کعبہ کی رکھوالی (سکونت) اور دربانی (حجابت) کے فرائض کافی اہم تھے، کہا جاتا ہے کہ قصی نے عہدۂ حجابت ایک مشک بھر شراب کے عوض حاصل کیا تھا، بعد میں کلید کعبہ عثمان بن طلحہ کے خاندان میں آگئی اور آج تک یہ کلید اسی خاندان میں چلی آرہی ہے۔
فتح مکہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عثمان بن طلحہ سے خانہ کعبہ کی چابی طلب کی اور دروازہ کھول کر اندر جانے کا ارادہ کیا۔ اس وقت حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ نے یہ درخواست کی کہ حرم کا "سقایہ" ان کے ذمے ہے اس طرح یہ عہدہ حجابت بھی ان کے حوالے کر دیا جائے۔ تو اس پر وحی نازل ہوئی۔

ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامانات الی اھلھا واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل - ان اللہ نعما یعظکم بہ ان اللہ سمیعاً بصیرا۔ (۴/۹)

ترجمہ :- بلاشبہ اللہ تعالیٰ امانتوں کو ان کے اہل لوگوں کی طرف لوٹانے کا حکم دیتا ہے جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کیساتھ ۔۔۔۔ الخ

چنانچہ چابی واپس عثمانؓ بن طلحہ کو دیدی گئی۔

"سقایہ" سے مراد حاجیوں کے لئے پانی پلانے کا انتظام تھا۔ آب زمزم کی حفاظت اور اسکی بہم رسانی دینی و دنیاوی نکتۂ نگاہ سے کافی اہمیت کی حامل تھی۔ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب رقمطراز ہیں کہ مکہ کے باشندوں سے اس خدمت کی کوئی فیس نہیں لی جاتی تھی، البتہ بیرونی حاجیوں کے ذریعہ سات آٹھ سو اشرفیوں (طلائی) کی آمدنی ہو جاتی تھی[1]

حجابت وسقایہ کے ضمن میں ایک شعبہ "عمارت البیت" کا بھی تھا، اس ضمنی شعبے کا مقصد یہ تھا کہ انچارج گھوم پھر کر نگرانی کیا کرے کہ حدود حرم میں گالی گلوچ، لڑائی جھگڑا اور شور شرابا تو نہیں ہو رہا تاکہ خانۂ کعبہ کا تقدس برقرار رہے۔ ایک زمانے میں یہ فریضہ حضرت عباسؓ کے ذمہ تھا۔
۴- افادہ :- کہا جاتا ہے کہ قصی نے اپنے خاندان کو کعبے کے اردگرد آباد کیا۔ یہ اسکا قدرتی نتیجہ تھا کہ دیگر قبائل اسے محسوس کرتے۔ چنانچہ ذہانت کے پتلے قصی نے بیرونی حاجیوں کو خوش

---

[1] عہد نبوی کا نظام حکمرانی صفحہ ۲۶۔

رکھنے کا علاج یہ سوچا کہ حج کے موقع پر غریب اور نادار حجاج کی مدد کی جائے۔ چنانچہ "بلدیہ" کیطرف سے ان کی عام دعوت کے مصارف کا انتظام کیا گیا۔ اس دعوت کے مصارف پورے کرنے کی خاطر محصول لیا جاتا تھا جسے "افادہ" کا نام دیا گیا۔ اسی کی مناسبت سے اس شعبے کو بھی "افادہ" کہا جانے لگا۔ قصی کی وفات پر یہ عہدہ نوفل کی اولاد میں متوارث ہوگیا۔

۵۔ لواء (علم جنگ) لواء کا لفظی مطلب "جھنڈا" ہے۔ اور اس سے مراد وہ عسکری شعبہ لیا جاتا ہے جس سے فوجوں کو جمع کیا جاتا اور لڑنے کی خاطر تیار کیا جاتا تھا۔ جب فوجوں کے اجتماع کی ضرورت محسوس ہوتی، لواء لہرا دیا جاتا اور لوگ جمع ہو جاتے۔

"عقاب" بھی انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے، لواء اور عقاب کے لغوی معنوں میں اگرچہ فرق نہیں، تاہم بعض عربی ماخذوں میں یہ دو عہدے بتائے ہیں۔ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے اسکی توجیہہ یہ کی ہے کہ ممکن ہے "لواء" سے مراد قبائلی جھنڈا اور "عقاب" سے مراد جنگی قومی جھنڈا ہو، بہرحال یہ دونوں کام دو مختلف گھرانوں میں متوارث تھے، لواء کا انتظام بنی امیہ کے ذمے تھا۔

معروف غیر مسلم مستشرق حتی (HITTI) نے عقاب کے بارے میں لکھا ہے کہ جھنڈے پر عقاب (پرندہ) کی شکل بنائی جاتی تھی جو نہایت فاش غلطی ہے۔ عقاب سے مراد "بڑا جھنڈا" ہے۔ یہ ہے ان غیر مسلم مستشرقین کی لیاقت جس سے ہمارا ایک طبقہ مرعوب ہے۔ ■■

بقیہ: شب برات ---- اور آج دن میں روزہ ہے، خبر دی ہے اس مخبر صادق نے جو ہم سب سے کہیں زیادہ علم والا تھا کہ آج آسمان دنیا پر گو سال تمام کا دن ہوتا ہے ہر شخص کا (چٹھا) کٹ جاتا ہے، اسکی موت زندگی، بیماری، تندرستی، تنگی و خوشحالی، غم و شادمانی سب کا حساب سال بھر کے لئے آج ہی فرشتوں کے رجسٹر میں درج ہو جاتا ہے۔ مبارک ہے وہ بندہ جس کا نام ایسے وقت رجسٹر میں درج ہو کہ وہ مالک کی چاکری میں کمربستہ پایا جائے دن ہو تو روزہ اور رات ہو تو تہجد گزار خوش نصیب ہے وہ ملت جس کا ایک ایک فرد آج اپنے نفس کی اصلاح و احتساب کا سالانہ پروگرام بنائے، بدی کی مخالفت کا، نیکی کی متابعت کا بیڑا اٹھائے۔ رمضان کے فرض روزوں کے بعد، پھر جن تاریخوں کے روزہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاص اہتمام تھا، انہیں میں سے ایک یہ روزہ پندرھویں شعبان کا ہے، پس یہ ہے کل کائنات مذہبی حیثیت سے شب برات کی، رتجگا نہ سینما، کارنیول نہ ڈراما نوبت نہ روشن چوکی، آتش بازی نہ حلوہ سازی، ناچ نہ رنگ، نہ شرابیوں جواریوں کے ڈھنگ، رات کی عبادت اور دن کا روزہ۔ بس اللہ اللہ خیر صلاح! ◆◆

حضرت العلامہ

مولانا شمس الحق افغانی

ایک علمی اور تاریخی شخصیت

سابق صوبہ سرحد کے ضلع پشاور میں تحصیل چارسدہ علاقہ ہشتنگر کی سرسبز و شاداب زمین نے ماضی قریب میں بڑے بڑے علماء، صوفیاء، مجاہدین، سیاسی راہنما ادباء اور شعراء پیدا کئے، جنہوں نے ظلم و استبداد کیخلاف مالی جانی اور لسانی و قلمی جہاد کیا اور امت مسلمہ کی ناموس کو اسلام دشمن عناصر کے دست برد سے محفوظ رکھتے ہوئے سر کی بازی لگادی۔ ان میں سے بعض تو اللہ تعالیٰ کو پیارے ہوئے جن کی داستان زندگی اس سرزمین کے چپہ چپہ پر بکھری پڑی ہے۔

کچھ قمریوں کو یاد ہے کچھ بلبلوں کو حفظ چمن میں ٹکڑے ٹکڑے انکی داستان کے ہیں

اور بعض ابھی تک ملک و ملت کی خدمت میں رات دن سرگرم عمل ہیں، ان میں سے ایک عظیم شخصیت جو آسمان علم و تصوف کا ایک چمکتا ہوا تارہ قافلہ محمدیؐ کا ایک عظیم قائد شمس المعارف حضرت العلامہ مولانا الحاج شمس الحق صاحب افغانی مدظلہ العالی ہیں جن کی علمی و ملی خدمات نے پاک و ہند کے بلند پایہ مفکرین سے خراج تحسین حاصل کیا ہے اور جن کو علمی سوسائٹی میں عظمت کا فلک الافلاک سمجھا جاتا ہے، لیکن بہت کم لوگ ہوں گے جو آپکی شخصیت اور کارناموں سے واقف ہوں گے۔

امام عبداللہ الذہبی فرماتے ہیں، "جو لوگ اپنی برگزیدہ اور انقلابی ہستیوں کے صحیح حالات سے واقف نہ ہوں اور نہ جانتے ہوں کہ ان کے راہنماؤں اور لیڈروں نے ملک و ملت کی کیا خدمت کی ہے، ان کے اعمال کیسے تھے، کیا کرتے تھے اور کیا کہتے تھے، تو وہ لوگ تاریکی اور ظلمتوں میں پڑے ہوئے ہیں، اسی طرح ڈاں گلبرٹ جرمنی کا ایک مفکر بھی رقم طراز ہے، "جو لوگ اپنے بزرگوں اور اسلاف کے صحیح حالات کا مطالعہ نہیں کرتے۔ وہ ان کا مقام ہی نہیں پہچان سکتے۔"

مولانا کی زندگی پر تفصیل سے لکھنا اور آپ کے علمی، مذہبی، تاریخی اور اصلاحی کارناموں کو مکمل

طور پر تحریر میں لانا تو کسی کامل الفن کا کام ہے جس نے مولانا کو قریب سے دیکھا ہو، اور آپ کے زیر دامن کافی عرصہ رہا ہو۔ میں تو آنے والوں کے لئے کچھ اشارات دیکر مواد فراہم کرتا ہوں۔

پیدائش | اسم گرامی شمس الحق ابن مولانا غلام حیدرؒ لقب شمس المعارف تحصیل چارسدہ کے ترنگزئی نامی گاؤں میں ۵ ر ستمبر ۱۹۰۱ء کو ایک معزز خاندان میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد بزرگوار مولانا غلام حیدر ابن مولانا خان عالم ابن مولانا سعد اللہ صاحب کو نقیہہ وقت مولانا عبد الحلیمؒ والد ماجد مولانا عبد الحیؒ سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ علوم دینیہ میں یکتائے زمانہ تھے۔ پشتو اور فارسی زبان کے بلند پایہ اور صاحب طرز شاعر تھے، آپ کے کلام میں عالمانہ شان اور صوفیانہ رنگ جھلکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پڑھنے والا متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ آپ کے پردادا مولوی سعد اللہ صاحبؒ ان چند مشاہیر علماء میں سے تھے جنہوں نے مجاہد کبیر حضرت سید احمد شہید بریلویؒ کی امارت میں جہاد کرتے ہوئے جام شہادت نوش فرمایا تھا۔ مشہور سوانح نگار جناب غلام رسول مہر نے سید صاحب کے حالات زندگی پر جو کتاب لکھی ہے خلفاء کی فہرست میں آپ کا نام نامی چوتھے نمبر پر ہے۔

ترنگزئی ہی میں اپنے والد ماجد سے قرآن شریف صرف و نحو اور نظم و فقہ کی ابتدائی کتابیں پڑھیں ۲۸ ر جولائی ۱۹۰۹ء کو پرائمری سکول میں داخلہ لے لیا، اور ۱۹۱۳ء میں سند کامیابی حاصل کر کے اسی ہی اسکول میں مدرس مقرر کئے گئے۔ اس وقت میر کریم بخش سکولوں کے انسپکٹر تھے۔ ترنگزئی ہی کے ایک صاحب غلام سید نامی نے جو مڈل پاس کئے ہوئے تھا، مولانا کے خلاف درخواست دیکر آپ کو ملازمت سے برطرف کرا دیا۔

چونکہ مولانا کو بچپن ہی سے علوم دینیہ سے قلبی لگاؤ تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ کا نام لیکر طالب علم میں نکلے، اور اسکو نہایت محنت و شوق سے حاصل کر کے ان میں اتنا کمال حاصل کیا کہ آج آپ کا شمار پاک و ہند کے ان چند بلند پایہ مفکرین میں ہوتا ہے، جن پر ملک و ملت کو بجا طور پر فخر ہے۔ آپ نے علم کی دھن میں کوہستان اور افغانستان جیسے دور دراز علاقوں کا سفر کیا۔ آپ کے دل میں محبت علم کا ایک ولولہ تھا جو آپ کو شہر بہ شہر پھراتا رہا۔ علوم مروجہ میں کمال حاصل کرنے کے بعد آپ دورۂ حدیث شریف کے لئے ہندوستان روانہ ہوئے۔ اور ۲۰ ر شوال ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹۲۰ء کو دار العلوم دیوبند ادامہا اللہ میں داخلہ لیا اور نادرہ روزگار شیخ الفقہاء حافظ الحدیث حضرت علامہ محمد انور شاہ کاشمیریؒ سے سماع حدیث کیا۔

۱۵ ر شعبان ۱۳۴۰ھ کو دار العلوم سے امتیازی سند حاصل کر کے وطن واپس تشریف لائے۔

اور اسی ہی سال یعنی ذیقعدہ ۱۳۴۷ھ کو حج بیت اللہ شریف اور زیارت نبوی سے مشرف ہوئے۔ اس مبارک سفر سے وطن واپس ہوتے ہی سلسلۂ درس وتدریس شروع ہوا۔ پاک وہند کے مختلف علاقوں اور شہروں میں آپ نے علم وحکمت کے جواہر بکھیرے اور ہزاروں تشنہ گان علم نے اس حسین وجمیل اور پاک وشفاف چشمہ سے اپنی پیاس بجھائی، درس وتدریس کے ابتدائی دور میں مولانا تقریر کرنے سے ہچکچاتے تھے۔ مولانا نے خود دارالعلوم دیوبند کے زمانے کا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا

"یہ وہ وقت تھا کہ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نوراللہ مرقدہٗ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم اور مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور شاہ انور شاہ الکاشمیریؒ اساتذہ تھے۔

ہندوستان میں شدھی تحریک زوروں پر تھی۔ مولانا حبیب الرحمانؒ نے پچاس علماء کا ایک وفد ترتیب دیکر مجھے اسکی قیادت سونپی۔ اس وقت میں عجیب مخمصے کی حالت میں تھا کیونکہ وسعت اور روانیٔ تقریر کا فقدان تھا۔ آگرہ کے مقام پر خواب دیکھتا ہوں کہ سرزمین عراق میں دریائے دجلہ کے کنارے ریتیلے ساحل پر جارہا ہوں۔ آس پاس کچھ لوگ نظر آتے۔ ساتھ ہی ایک گنبد دکھائی دیا، پوچھا، یہ گنبد کیا ہے۔؟ جواب ملا کہ یہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مزار ہے۔ آگے جاکر دیکھتا ہوں کہ ایک بڑے اجتماع کے سامنے امام غزالیؒ منبر پر بیٹھے تقریر کر رہے ہیں۔ مجھے دیکھا تو نیچے اتر آئے۔ ہاتھ سے پکڑ کر منبر پہ بٹھایا اور تقریر کرنے کا حکم دیا۔ میں نے عذر پیش کرکے کہا کہ حضرت مجھے تقریر کرنا نہیں آتا۔ اتنے میں بارش برسنے لگی اور مجمع خود بخود منتشر ہوگیا۔" پھر فرماتے ہیں :

دوسری رات ایک اور خواب دیکھا۔ ایک عظیم مسجد ہے جس میں گھاس بچھی ہوئی اور منبر رکھا ہوا ہے، منبر کے قریب ایک سفید ریش انسان چادر میں لپٹا ہوا بیٹھا ہے، مجھے دیکھا تو فرمایا: مجھے اٹھاکر منبر پہ بٹھا دو۔ میں نے زور لگایا لیکن اٹھا نہ سکا۔ آخر ان کے کہنے پر بسم اللہ پڑھ کر خوب زور لگا کر بڑی مشکل سے اٹھایا اور منبر پر بٹھایا۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہ دارالعلوم دیوبند کے بانی قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ہیں۔ صبح ہوئی، طبیعت میں کافی فرق تھا، سینے میں کشادگی اور نیا جوش محسوس کر رہا تھا۔ خوابوں کی تعبیر امام اعظمؒ اور حضرت مولانا محمد قاسمؒ سے حنفی اور علمی نسبت اور امام غزالیؒ سے تقریر اور کشادگی نکالی۔

اس کے بعد تبحر علمی اور روانیٔ تقریر کا کوئی ٹھکانہ نہیں۔ ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

مولانا نے فرمایا کہ یہ واقعات ۱۹۲۶ء کے ہیں۔

۱۹۳۹ء میں مولانا کو ریاستہائے متحدہ بلوچستان قلات کے والی کی طرف سے وزارت معارف

کی پیش کش کی گئی۔ چنانچہ اکابر دیوبند کے مشورہ پر آپ نے پیشکش قبول فرمائی۔ اور اسی ہی سال آپ نے قلمدانِ وزارت سنبھالا۔ مولانا کے وزارت میں آنے سے ریاست کے شعبہ ہائے محکمۂ قضا میں ایک نئی روح پھونکی گئی۔

تمام تنازعات خواہ دیوانی سے تعلق رکھتے تھے یا فوجداری سے جلد از جلد قرآن و حدیث کی روشنی میں فیصلہ کئے جانے لگے۔ ریاست کے عوام خوشی اور اطمینان کی زندگی گذارنے لگے ـــ اسی ذمہ دارانہ منصب پر مولانا پورے گیارہ سال متمکن رہے۔ اور قوم و ملت کی نگہداشت سے ایک لمحہ بھی غافل نہ رہے۔ اسی دوران میں مولانا نے قضاء اور افتاء کے متعلق فقہ اسلامی سے چیدہ چیدہ اصول منتخب کرکے معین القضاۃ والمفتین کے نام سے شائع کرائی۔ اہل علم و قلم حضرات سے خراجِ تحسین حاصل کیا۔ مولانا کی علمی اور تدریسی زندگی کا مختصر خاکہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ اس سے مولانا کی شان اُجاگر ہوتی ہے۔

- صدر مدرس مظہر العلوم کھڈہ کراچی ۱۳۴۱ھ
- صدر مدرس ارشاد العلوم تنبر لاڑکانہ سندھ ۱۳۴۲ھ
- صدر مدرس قاسم العلوم لاہور ۱۳۴۶ھ
- صدر مدرس دار الفیوض ہاشمیہ سجاول سندھ ۱۳۵۰ھ
- مدرس اعلیٰ دار العلوم دیوبند ۱۹۳۵ء
- وزیر معارف ریاست قلات ۱۹۳۹ء
- مدرس اعلیٰ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ۱۹۴۴ء
- دوبارہ وزیر معارف قلات ۱۹۴۷ء
- شیخ التفسیر والحدیث اکیڈمی کوئٹہ ۱۹۶۲ء
- صدر شعبۂ تفسیر جامعہ اسلامیہ بہاولپور تاحال ۱۹۶۳ء

تقریباً کل مدتِ تدریس علوم اسلامیہ ۲۰ سال اور کل عرصہ وزارتِ معارف شرعیہ ریاستہائے متحدہ بلوچستان قلات گیارہ سال۔ چنانچہ اب تک مولانا باوجود ضعف اور پیرانہ سالی کے تدریس و تالیف میں مشغول ہیں۔

تصنیفات | معین القضاۃ والمفتین کے علاوہ "اسلام اور کمیونزم" جو موجودہ دور کا ایک معرکۃ الآراء مسئلہ بنا ہوا ہے، ایک مدلل ایک بہترین اور معلوماتی کتاب ہے۔ عربی اور انگریزی میں

بھی اس کا ترجمہ شائع ہوا ہے۔ جامع ترمذی پر شرح بھی لکھ رہے ہیں جس کی پہلی جلد کتابت اور پریس کے حوالے کی گئی ہے، اسکے علاوہ اور بھی بہت سے مفید مقالے شائع ہوئے ہیں۔ آئین آریہ، شرعی ضابطہ دیوانی بزبان اردو، سوشلزم اور اسلام، اسلامی جہاد، اسلام دین فطرت ہے، اسلام عالمگیر مذہب ہے، ترقی اور اسلام ترجمہ بنگالی اور اردو، عربی مدارس کا اسلامی معاشرے پر اثر، وغیرہ علوم القرآن زیر طبع ہے۔ اکثر مقالات ماہنامہ الحق میں چھپ چکے ہیں اور اس ضمن میں الحق کو آپکے مضامین کی اشاعت کا خاص شرف حاصل ہوتا رہتا ہے۔

مولانا کا انداز بیان حکیمانہ ہوتا ہے۔ اس لئے عامی ہو یا عالم بغیر متاثر ہونے کے نہیں رہ سکتا۔ پیچیدہ سے پیچیدہ مسئلہ کو آسان طریقہ سے حل کر کے سائل کو مطمئن بنا دیتا ہے۔ ایک دفعہ کاتب الحروف کو سیدنا حضرت علیؓ کے اس قول: حدثوا الناس بما یعرفون ودعوا ما ینکرون اتحبون ان یکذب الله ورسوله۔ کا مطلب بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ احکام خداوندی کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ضروریہ اور حقائق جلیہ۔ جن کے بغیر علم کی تکمیل ممکن نہیں اور جن کا لوگوں کو سمجھانا از بسکہ ضروری ہے۔ مثال کے طور پر نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور صفات خداوندی کہ اللہ تعالیٰ سمیع قدیر اور خبیر ہے۔ دوسرے غیر مہمہ اور غامضہ جن کا اظہار عوام کے سامنے نہیں کرنا چاہیے جیسا کہ صفات خداوندی عین ہیں کہ غیر یا کہ نہ عین ہیں اور نہ غیر یا مسئلہ تقدیر کی حقیقت وغیرہ۔

تلامذہ | آپکے شاگردوں کا سلسلہ دور دراز تک پھیلا ہوا ہے چند مشہور حضرات جو اب بھی دینی محاذ کی اشاعت میں دن رات سرگرم عمل ہیں، یہ ہیں:- خطیب پاکستان مولانا احتشام الحق تھانویؒ۔ مفتی عبداللہ استاد الحدیث خیر المدارس ملتان۔ مولانا محمد شریف صاحب استاد اعلیٰ خیر المدارس ملتان۔ مولانا نور محمد صاحب شیخ الحدیث مدرسہ ہاشمیہ سجاول کراچی۔ مولانا فضل احمد شیخ الحدیث مظہر العلوم کھڈہ کراچی۔ مولانا عبدالکریم صاحب شیخ الحدیث نجم المدارس کلاچی۔ مولانا لطافت الرحمٰن صاحب استاد بہاولپور اکیڈمی۔ مولانا عبدالرحمٰن شیخ الحدیث تعلیم القرآن راولپنڈی۔ مولانا عبدالرؤف شیخ الحدیث دار العلوم اسلامیہ چارسدہ۔

حضرت مولانا نے کئی ایک بین الاقوامی اسلامی کانفرنسوں میں شرکت کر کے پاکستان کا وقار دنیائے اسلام میں بلند کر دیا ہے۔ اسلام آباد میں ایک اسلامی کانفرنس میں سود کے بارے میں ایک مقالہ پیش کر کے ممالک اسلامیہ کے مندوبین سے اپنے علمی تبحر کا لوہا منوایا۔ اور وہ حضرت کے جواہر پارے سن کر عش عش کرا ٹھے۔ ابھی حال ہی میں ۱۷ اپریل تا ۲۰ اپریل ۱۹۶۹ء کو ملائیشیا میں اسلامی کانفرنس میں پاکستان کے وفد کے ممبر رہے اور اسلام اور اسکی عالمگیریت کو ثابت کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

رب العزت حضرت مولانا کو عمر دراز عطا فرمائے اور علوم دینیہ کی اشاعت کا وہ سلسلہ جاری رہے جو اُن کے دم سے قائم ہے۔

■■

مولانا غلام محمد بی۔ اے کراچی
(مؤلف تذکرہ سلیمان)

شیخ کبیر و محدث جلیل

۔گذشتہ سے پیوستہ۔

اخلاص کامل | حضرت مولاناؒ سراپا اخلاص تھے، وہ تھے اور ان کا اپنے معبود سے تعلق تھا، برسہا برس اپنی عظمت علمی اور رفعت روحانی لئے ہوئے وہ مسجد کے گوشہ نشین بنے رہے، نہ مخلوق نے انہیں پہچانا نہ ان میں اپنی پہچان کا واہمہ بھی کبھی پیدا ہوا، وہ حضرت احمد جام رحمۃ اللہ علیہ کے شعر کی جیتی جاگتی مثال تھے۔

احمد تو عاشقی بہ مشیخت ترا چہ کار　　　دیوانہ باش سلسلہ شد شد نہ شد نہ شد

مدت دراز تک ان کی طرف رجوع بہت ہی کم رہا اور وہ اس کے پھیلاؤ سے بالکل مستغنی رہے، اکثر بزرگوں میں حلقۂ ارادت کے پھیلانے کی حرص نمایاں نظر آتی ہے اور بعض اچھے اچھے متقی پیر بھی اس سلسلہ میں ایسے حریص نظر آتے ہیں کہ ان کے پاس اور سلسلوں کے ارادتمند بھی آئیں تو وہ اپنی طرف ان کو کھینچنے کی تدابیر کرتے رہتے ہیں، یہ چیز اخلاص کے منافی اور "خود اعتقادی" سے بھی ناشی ہے، حضرت مولانا سید عبداللہ قدس سرہٗ ایسے مخلص کامل تھے کہ اگر اور جگہ کے ارادتمند انکی خدمت میں حاضر ہوتے تو وہ اس طرز سے ان کی تشفی فرمادیتے کہ ان کا اعتقاد اپنے پیر اور اپنے سلسلہ پر اور بڑھ جاتا۔

راقم الحروف کی ذاتی مثال ان کے اس وصف کی بہترین ترجمان ہے۔ میرا سارا خاندان حضرت کا وابستۂ دامن تھا اور میرے والد ماجد اور تایا صاحب تو حضرت کے اولین اور رشید ترین

مریدوں میں سے ہیں اور ان کی شفقت خود اس حقیر کے حال پر بچپن ہی سے رہی تھی، اس سب کے باوجود میرا رزق اللہ تعالیٰ نے اپنے غایت کرم سے حضرت شاہ سلیمان (علامہ سید سلیمان ندوی قدس سرہٗ) کے خوان فیض پر مقدر فرمایا تھا اور جب یہ تقدیر ظاہر ہوگئی تو میں دل میں اس بات سے گھبراتا تھا کہ اگر اسکی اطلاع حضرت ممدوح کو ہوگئی تو ان کو برا ضرور معلوم ہوگا اور شاید ان کے الطاف پھر ایسے مبذول نہ رہیں گے، مگر جب بغیر عرض و معروض کے احقر کا تغیر حال ان کی نگاہ میں آیا تو راز چھپایا نہ جا سکا اور جب ڈرتے جھجکتے حقیقت ظاہر کر دی تو بڑے انبساط سے فرمایا کہ بس اب راستہ کی شرط یہ ہے کہ "یک در گیر و محکم گیر" اور بڑی شفقت سے وقتاً فوقتاً شیخ کے احترام اور اتباع کی تلقین فرماتے رہے، یہاں تک کہ ۱۹۶۱ء میں (بعد وفات شیخ) جب اس عاجز کا حیدرآباد جانا ہوا اور حضرت کی خدمت میں حاضری ہوئی تو بڑے سرور و نشاط سے تشفی ہی تشفی فرمادی — یہ اخلاص بڑے سے بڑے شیخ میں بھی پھر نظر نہ آیا،

اس سے بھی بڑھ کر حضرت کے اخلاص فی اللہ کی ایک اور نشانی بھی ہے، جو آج اس عاجز کے ذریعہ پہلی بار ظاہر ہو رہی ہے کہ جب حضرت کو "تکوینی خدمت" سپرد ہو رہی تھی تو میرے تایا صاحب مدظلہ سے تخلیہ میں فرمایا اور بڑی ہی پریشانی کیساتھ فرمایا کہ "مجھ سے اس چیز (تکوینی خدمت) کے قبول کرنے پر اصرار کیا جا رہا ہے، بھلا مجھے ان باتوں سے کیا سروکار، میں مسلسل انکار کر رہا ہوں مگر اُدھر سے پیہم اصرار ہے۔" — چنانچہ بالآخر قبول کرنا ہی پڑا۔ مگر اس سے اخلاص فی اللہ کا کیسا کمال ظاہر ہو رہا ہے کہ حضرت کو دارین سے کچھ بھی مطلوب نہیں تھا، بلکہ مطلوب تو صرف اسی ذات پاک کی محبت اور اسی کی رضا تھی، رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ۔

حزم و احتیاط | مولانا کا ایک خاص وصف ہر بات میں احتیاط کا خیال تھا، نذرانہ قبول نہیں فرماتے تھے کہ نہ جانے دینے والے کی آمدنی کیسی ہو؟ جلسوں، عرسوں اور ہر قسم کی مجالس سے کنارہ کش رہتے کہ ان میں اوقات کی بربادی بھی ہے اور منکرات سے بچنا بھی مشکل — باوجود ذہانت و حذاقت علمی کے عمر بھر مناظرہ کے تصور سے بھی گریزاں رہے۔

مولانا کی احتیاط کا عالم یہ تھا کہ کبھی اس کتاب کا درس نہیں دیا جسکو خود کسی استاد سے پڑھا نہیں تھا، وہ ایک متبحر عالم تھے مگر جب کوئی معمولی مسئلہ بھی پوچھتا تو الماری سے بہشتی زیور (مولفہ حضرت مولانا تھانوی رح) نکلواتے اور اس میں دیکھ کر بتلا دیا کرتے تھے۔

ان کے پیر بزرگوار (قدس سرہٗ) نے ان سے فرمایا تھا کہ شہر میں علماء کی کمی نہیں اس لئے آپ

پر وعظ و تبلیغ شہر میں واجب نہیں، ہاں اضلاع پر جائیں تو ضرور وعظ فرمایا کریں۔ مولانا اس وصیت پر اس سختی سے پابند رہے کہ مرتے دم تک شہر حیدر آباد میں وعظ نہیں فرمایا، سقوطِ حیدر آباد کے بعد میرے خسر مرحوم (مولانا محمد علی پروفیسر فقہ و حدیث جامعہ عثمانیہ) کے بڑے اصرار پر سکندر آباد کی جامع مسجد میں ایک مختصر وعظ فرمایا تھا مگر حالت یہ تھی کہ تمام سامعین پر رقت طاری تھی۔

وسعتِ فیض اللہ پاک کی عجیب حکمت ہے، حضرت نے اپنی عمر کا بڑا حصہ اس حالت میں گذارا کہ معدودے چند سے زیادہ شہر میں ان کے وابستۂ دامن موجود نہ تھے، مگر آخر عمر میں جب "زجاجۃ المصابیح" کا عظیم کام انجام کو پہنچ گیا تو دفعتہً لوگوں کا رجوع بڑھ گیا اور سقوطِ حیدر آباد کے بعد تو عوام و خواص کا اسقدر ہجوم ہو گیا کہ شہر میں بس وہ ہی رہ گئے، اور یہ فیضان صرف شہر تک محدود نہ رہا بلکہ سرعت کیساتھ دکن کے طول و عرض میں پھیل گیا، بمبئی سے مدراس اور سی پی سے بنگلور تک کا علاقہ اثر فیض میں آگیا حضرت کے منتسبین میں وضع و قطع مطابقِ شریعت رکھنے کا اہتمام نماز با جماعت کی پابندی، سادگی اور تواضع کا اثر عام دکھائی دیتا ہے، مگر چونکہ حضرت کے ہاں احتساب کی سختی اور دین کی کامل تفہیم، مسائل سے آگاہی اور بدعات و رسوم پر تنبیہہ کا اہتمام نہ تھا، اس لئے جو جس رنگ میں رہا اسی رنگ میں رہا اور اکثر لوگ ان رسوم اور بدعات میں مبتلا نظر آتے ہیں، جن کا انتساب حضرت شیخ کی ذاتِ گرامی کی طرف بہتان ہے۔

حلقۂ توجہ ان کا حلقۂ توجہ اصل نقشبندی شان کا ہوتا تھا، وہ مراقب ہو کر بیٹھ جاتے اور سب مریدان کے روبرو حلقہ باندھ کر مراقب ہو جاتے، نہ شیخ تسبیح کھٹکھٹاتے تھے نہ زبان سے اللہ اللہ کے نعرے لگاتے تھے نہ اشعار پڑھتے تھے نہ مریدوں میں ھُو حق کی آواز ہوتی تھی، گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ کے طویل حلقہ توجہ میں سکوت کا ایک عالم طاری رہتا۔ اور ع

که برنداز رہ پنہاں بہ حرم قافلہ را

کی حقیقت مشاہد و محسوس ہو جاتی تھی۔ ورنہ حیدر آباد ہی میں اپنے ایک استاد مولانا محمد صابر صاحب رحمہ اللہ سے (جو حضرت حافظ لبشارت کریم صاحب بہاری رحمہ اللہ نقشبندی مجددی کے خلیفہ تھے) سنا تھا اور پاکستان آکر خوب دیکھا کہ اس اطراف میں حضرت دوست محمد قندھاری قدس سرہٗ کے سلسلہ کے حضرات کا جو حلقۂ توجہ ہوتا ہے اس میں شیوخ موٹے دانوں کی تسبیح کی کھٹ کھٹ سے اور کبھی اشعار پڑھ کر اور کبھی اللہ اللہ کے نعروں سے مریدوں کو متوجہ رکھتے ہیں اور خود مرید بھی ھُو حق کے نعرے بلند کرتے ہیں، ممکن ہے یہ حضرت دوست محمد قندھاری قدس سرہٗ کا شخصی طرز ہو جس کو

اہل ارادت نے رواج دے لیا ہے، ورنہ ذکر خفی میں یہ جہر اصل مجددی طریق کے مغائر ہے۔

فقہی مسلک | بعض جزئیات فقہ میں وہ اپنے استاد مولانا انوار اللہ خاں کے پیرو تھے اور عرس، نیاز، قیام میلاد وغیرہ بشرطیکہ منکرات اور خلاف شرع امور ان میں موجود نہ ہوں درست سمجھتے تھے۔ مگر وہ بھی اس درجہ میں کہ نہ کرنے والوں پر ان باتوں کا اصرار ہو اور نہ احتیاط کے ساتھ جو لوگ کرتے ہوں ان پر نکیر کی جائے ورنہ قبروں پر پھول چڑھانے اور مزارات پر منت مانگنے اور تعویذ گنڈوں کا شغل رکھنے والوں کی تردید خود حضرت کے ملفوظات "مواعظ حسنہ" میں چھپی ہوئی آج بھی موجود ہے، ان چند باتوں کے علاوہ اور تمام مسائل میں وہ علمائے دیوبند اور سہارنپور ہی کے فتووں سے تمسک فرماتے تھے اور بہشتی زیور تو ہمیشہ حضرت کی مسجد والی الماری میں رکھی ہی رہتی تھی

صوفیانہ مسلک | یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ اختلاف سلاسل تصوف میں ولی اللہی[1] مسلک کے پیرو تھے۔ یعنی ان سلاسل میں باہمی تقابل اور فضیلت و تفضیل کے قائل نہ تھے اور تمام محققین صوفیاء کے یکساں معتقد تھے، اسی طرح وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کے نظری اختلاف اور اس میں بحث سے سخت گریز فرماتے تھے اور حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی اور حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کے درمیان اختلافی بحث چھیڑنے والوں سے گفتگو کرنا بھی پسند نہ فرماتے تھے۔

سیاسی مسلک | ایک کنج نشین عابد و زاہد کا عملی سیاسیات سے تعلق ہی کیا ہو سکتا ہے مگر نظری طور پر وہ اس معاملہ میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے ہم مسلک تھے کانگریس اور سودیشی تحریک وغیرہ میں شرکت سے اپنے مریدوں کو منع فرما دیا تھا، وہ اتحاد بین المسلمین کے قائل تھے اور اسی جہت سے مسلم لیگ اور خاصکر مجلس اتحاد المسلمین کے مؤید اور قائد ملت نواب بہادر یار جنگ مرحوم کے خاص دعا گو تھے۔

علمائے عصر سے تعلق | اپنی عزلت پسندی کی وجہ سے مولانا کا حلقۂ تعلق محدود ہی نہیں بلکہ نہ ہونے کے برابر تھا۔ حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ سے ان کی صرف ایک ملاقات ہوئی تھی جب وہ حیدر آباد دکن تشریف لائے تھے، مگر ان کے مواعظ، ملفوظات اور علمی تالیفات کا مولانا نے غائر مطالعہ کیا تھا اور اپنی اکثر تالیفات میں ان سے فائدہ اٹھایا ہے۔

---

[1] حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ سے ان کے تعلقات تھے، اور یہ ایک بالکل ہی استثنائی بات تھی کہ وہ حضرت عثمانیؒ کے مواعظ میں اکثر شرکت فرماتے تھے، حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ (فرزند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہٗ) مفتی عدالت العالیہ حیدرآباد دکن سے بھی غالباً مولانا اور ان کے والد ماجد کے تعلقات تھے اور اسی تعلق سے حضرت مولانا قاری محمد طیب مدظلہٗ کا وہ اکرام فرماتے تھے اور حضرت قاری صاحب بھی مولانا کا بزرگانہ احترام فرماتے تھے۔ حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ سے مولانا کو غائبانہ محبت سیرۃ النبی جلد سوم کی وجہ سے تھی ——— وہ معجزات پر اس تالیف کے بڑے مداح تھے، آخر زمانہ میں یہ راقم عاجز مطلع سیادت کے ان درخشاں ستاروں کے قران کا سبب بنا، اور پہلی ہی[1] ملاقات میں دونوں ایک دوسرے کی روحانی عظمت کے قائل وگھائل ہوگئے اور تا دم آخر اس ناکارہ کے ذریعہ دونوں بزرگوں میں سلام و دعا کا ربط قائم رہا۔

سقوط حیدرآباد کے بعد جب مولانا کا شہرہ بھارت میں عام ہوا تو اکابر علماء میں سے حضرات مولانا محمد یوسفؒ (امیر جماعت تبلیغ) مولانا عبدالماجد دریابادی مدظلہٗ، مولانا سید ابوالحسن ندوی مدظلہٗ نے حضرت مولانا سید عبداللہ شاہؒ سے سفر حیدرآباد کے دوران ملاقاتیں کیں اور سب کو حضرت کی نسبت عالی اور مرتبہ تقدس کا اعتراف رہا۔

وصال | آخر عمر میں خصوصاً زجاجۃ المصابیح کی تالیف سے فارغ ہوکر حضرت شیخ کی بینائی تقریباً رخصت ہوچکی تھی، اور یوں بھی ضعف و پیرانہ سالی کے باعث نحیف و نزار اور قد سے خمیدہ ہوگئے تھے اور اب بیماری کی تاب نہ رہی تھی، بالآخر پنجشنبہ ۱۸ ربیع الثانی ۱۳۸۴ھ مطابق ۲۷ اگست ۱۹۶۴ء کو صبح ۸ بجے دکن کا یہ آفتاب بیانوے برس تک ضیاپاش رہ کر ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا۔ رحمۃ اللہ علیہ ——— نماز جنازہ دوسرے دن (جمعہ کو) صبح ۹ بجے عیدگاہ میر عالم میں دو لاکھ سے زائد معتقدین اور عام مسلمانوں نے ادا کی، امامت کا شرف حضرت کے فرزند اکبر حضرت سید خلیل اللہ مدظلہٗ[2] نے پایا، اور پھر جنازہ کو "نقشبند چمن" کے نئے قبرستان میں جس کا افتتاح ہی اس سرو بستان معرفت کی خوابگاہ سے ہونا تھا، پہنچا کر پیوند خاک کر دیا گیا۔

؏ خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہوگئیں۔ نور اللہ مرقدہٗ واعلی اللہ مقامہٗ۔

---

[1] اسکی تفصیل ملاحظہ ہو "تذکرہ سلیمان" حصہ دوم میں۔ [2] خلفاء میں یہی اب حضرت کے جانشین ہیں، ماشاء اللہ شروع ہی سے صالح فطرت خاموش اور متواضع رہے۔ پھر حضرتؒ کی تربیت میں تکمیل سلوک کر کے ورثہ پدری سے حظ وافر پایا ہے۔ البتہ پدر بزرگوار کی کوشش کے باوجود علمی وراثت کے حامل نہ بن سکے۔

عجیب بات یہ کہ اس گوشہ نشین، بے برگ و بے نوا، قومی نظریہ کے مخالف اور وحدتِ ملتِ اسلامیہ کے حامی بزرگ کا جس روز جنازہ اٹھنا تھا ہند حکومت نے دفاتر کو صبح ۲، ۳ گھنٹے کی چھٹی دے دی تاکہ دفاتر کے لوگ بھی جنازہ میں شریک ہو سکیں، اور بس کارپوریشن نے مفت بسیں شہر کا ئے جنازہ کیلئے چلائیں، اس واقعہ میں کتنا بڑا درسِ عبرت ہے۔ مصلحت اندیش اور مخلوق کی خوشنودی پر نگاہ رکھنے والے علماء و صلحاء کے لئے اور کیسی تقویت کا سامان ہے، ان لوگوں کے لئے جن کے پیشِ نظر رضائے حق کے سوا کوئی اور بات ہے ہی نہیں ؎

مصلحت دیدمن آنست کہ یاراں ہمہ کار بگذارند و خمِ طرۂ یارے گیرند

حلیہ | قامت بالا، اعضا متناسب، رنگ گورا، چہرہ ماہتابی جسکے گرد سفید براق سی ڈاڑھی آنکھیں بڑی بڑی پرحیا، بینی دراز، پیشانی فراخ و بلند مطلعِ انوار اور اس پہ ہلالی داغ سجود بڑا پرکشش تھا، دہن کشادہ تبسم فرماتے تو دانت موتی کیطرح دکھائی دیتے۔ سکوت مجسم تھے اور چہرہ پہ تفکر و حزنِ آخرت کا سماں طاری رہتا تھا، بات بقدرِ ضرورت فرماتے مگر مخاطب کیطرف پوری طرح متوجہ ہو کر اور شفقت و دل آویزی کے ساتھ! آخر عمر میں جسم لاغر اور کمر قدرے خمیدہ ہو گئی تھی اور بینائی جاتی رہی تھی مگر سراپا نور ہی نور نظر آتے تھے، اور چہرۂ اقدس پر نگاہ پڑتے ہی قلب بے ساختہ اللہ اللہ کرنے لگتا تھا، ۱۹۶۱ء کے وسط میں راقم الحروف کا حیدر آباد جانا ہوا، شیخ کی مسجد میں پہنچا، ابھی تشریف نہ لائے تھے، چند منٹ میں آگئے، نظر جو چہرۂ پر انوار پہ پڑی تو آنکھیں سچ مچ چوندھیا گئیں اور سیلل مانک پوری کا شعر جو کبھی پڑھا تھا دفعتہً یاد آگیا ؎

نگاہِ برق نہیں چہرہ آفتاب نہیں وہ آدمی ہیں مگر دیکھنے کی تاب نہیں

کرم اللہ تعالیٰ وجہہٗ و نور اللہ مرقدہٗ۔

حضرت مولانا کے آثارِ علمیہ

زجاجۃ المصابیح | یہ مولانا کا عظیم الشان کارنامہ ہے، مشکوٰۃ المصابیح کے طرز پر ابواب و فصول کی پابندی کیساتھ مسلک احناف کی مؤید احادیث کی ترتیب بارہ صدی میں پہلی بار مولانا کے ہاتھوں انجام پائی ہے، اس کام کا آغاز تائید غیبی سے ہوا، فاضل و عارف مرتب نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عالم رویاء میں زیارت پائی، معانقہ اور القائے فیض سے مشرف ہوئے، پھر بسم اللہ کر کے قلم اٹھایا اور احادیث اس ادب و محبت سے نقل کیں کہ ہر حدیث شریف کے لکھنے سے

پہلے اور بعد تین تین مرتبہ سوغات درود بارگاہ نبوی میں پیش کرتے رہے۔

مسلک احناف کی مؤید احادیث کے جمع و ترتیب کا کام بہت ہو چکا تھا خصوصاً آخر زمانہ میں احیاء السنن اور اعلاء السنن کی اشاعت نے حجت تمام کر دی تھی، مولانا چاہتے تو کم محنت اور کم وقت میں صرف اختلافی مقامات پر مشکوٰۃ شریف میں مسلک شوافع کی مؤید احادیث کی جگہ مسلک احناف کی مؤید احادیث رکھ دیتے اور ذیل میں وجوہ ترجیح درج فرما دیتے مگر انہوں نے اس حزم و احتیاط سے یہ کام انجام دیا کہ مشکوٰۃ شریف کی جملہ احادیث کا اصل مآخذ سے مقابلہ کر کے پھر ان کو نقل فرمایا، اسی طرح گذشتہ صدیوں میں جتنا کام مسلک احناف پر ہوا تھا اس سارے ذخیرہ کا غائر مطالعہ کیا اور پھر احادیث نقل کیں۔ اس کاوش و محنت کیساتھ یہ کام کامل بیس برس میں انجام پا سکا اور پوری کتاب پانچ جلدوں میں شائع ہو سکی[1]۔

مولانا نے جب یہ کام شروع فرمایا تو اُردو ترجمہ بھی ساتھ ہی ساتھ کرتے چلے جا رہے تھے، مگر حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے مشورہ[2] سے ترجمہ کو ترک فرما دیا اور اصل کتاب مرتب فرما دی، بعد میں تین چار حضرات پر مشتمل ایک جماعت کے سپرد ترجمہ کا کام فرما دیا اور تاحیات اس ترجمہ کی نگرانی فرماتے رہے، پڑھنے سے معذور ہو چکے تھے اس لئے سماعت فرمایا کرتے تھے۔

زجاجۃ المصابیح ہند و پاکستان اور افغانستان کے علماء تک پہنچی اور حضرت مرتب نور اللہ مرقدہٗ کی حین حیات علمائے حقانی نے اس خدمت پر تحسین و آفرین کی، اعلیٰ علمی دینی رسائل مثلاً معارف، الفرقان، صدق، برہان، دار العلوم (دیوبند) وغیرہ میں موقر تبصرے شائع ہوئے، جو دیکھے جا سکتے ہیں، راقم الحروف سے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع مدظلہ نے زجاجۃ کی پہلی جلد دیکھ کر فرمایا تھا کہ "حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہٗ نے اس کام کی وصیت ہم لوگوں سے کی تھی، خوشی ہے کہ ہم سے اگر انجام نہ پا سکا تو دکن سے انجام پا گیا۔" اسی طرح ۱۹۶۵ء میں احقر کی مدینہ طیبہ حاضری کے دوران حضرت مولانا سید بدر عالم مہاجر مدنیؒ (صاحب ترجمان السنہ) سے جب

---

[1] حضرت مولانا کی کل تالیفات کے ملنے کا پتہ۔ مکتبہ نقشبندیہ ۱۶۰۵/۴۲۳ حسینی علم، بارہ گلی، حیدرآباد۔ دکن م۲

[2] حضرت مولانا عثمانیؒ نے فرمایا تھا کہ کام بڑا ہے، ترجمہ کے ساتھ کرنے میں ادھورا نہ رہ جائے۔ ترجمہ تو بعد میں بھی ہو سکتا ہے، یہ مشورہ الہامی مشورہ ثابت ہوا کہ حضرت مرتب کی بصارت اصل کتاب کی ترتیب پر ختم ہو گئی اور ترجمہ دوسروں کے سپرد کرنا پڑا۔

زجاجۃ کا تذکرہ آیا تو فرمایا کہ "جلد اول دیکھ کر تو میں اتنا معتقد نہ ہوا تھا، مگر بعد کی جلدوں کو دیکھ کر اس کام کی قدر دل میں پیدا ہو گئی، بڑا کام حضرت مولانا کے ذریعہ انجام پا گیا ہے۔"

زجاجۃ المصابیح کا ترجمہ نور المصابیح کے نام سے شائع ہو رہا ہے اور ابھی تکمیل طلب ہے۔ ترجمہ میں اصل سے زائد تفصیل و تفہیم ہے جسکی ذمہ داری بعد وصال شیخ صرف مترجمین ہی پر عائد رہیگی۔

اور تصانیف | زجاجۃ المصابیح کے علاوہ حضرت شیخ کی اور تالیفات بھی ہیں جو اردو زبان (بلکہ دکنی اردو) میں لکھی گئی ہیں اور علمی رتبہ کے اعتبار سے زجاجۃ اور ان میں کوئی مماثلت نہیں، پھر بھی افادی اعتبار سے ان کا مقام مسلّم ہے، اور حضرت شیخ کی نسبت باطنی کا اثر ہر تصنیف میں نمایاں ہے۔ ان تصانیف کی تفصیل یہ ہے:-

۱۔ گلزار اولیاء :- خانوادۂ نقشبند مجددیہ کے بزرگوں کے احوال سلیس زبان میں قلمبند فرمائے ہیں، اس کتاب کا مسودہ میرے والد ماجد مدظلہ کے استاد خواجہ محمد اکرام الدین خاں عقیلؔ مرحوم[1] نے دیکھا تھا، اس لئے اسکی زبان اصلاح شدہ ہے۔

۲۔ علاج السالکین :- یہ رسالہ تصوف و سلوک کی غرض و غایت اور سلوک نقشبندیہ کی تفصیل پر مشتمل ہے اور خاصہ کی چیز ہے۔ اس کے چند ابتدائی صفحات لفظاً لفظاً حضرت مولانا تھانویؒ کے رسالہ قصد السبیل الی مولی الجلیل سے نقل ہیں[2]۔

۳۔ یوسف نامہ :- یہ سورۂ یوسف سے اخذ ہونے والے مسائل طریقت پر مشتمل کتاب ہے، اس کا دوسرا نام گلدستۂ طریقت رکھا گیا ہے جو اس کا نہایت صحیح ترجمان ہے، نکات سلوک و تصوف اس میں خوب خوب آگئی ہیں، باقی قصہ کی غیر قرآنی تفصیلات غالباً حضرت جامیؒ کی کتاب یوسف زلیخا سے لی گئی ہے، راقم حقیر نے اس تفصیل کی بے اعتباری کا ذکر بہ تمام ادب حضرت مصنف کی خدمت میں بالمشافہ پیش کیا تھا، کمال شفقت سے جواب یہ ملا کہ مقصد نصیحت و عبرت ہے اور واقعی اس پہلو سے یہ کتاب ایک قیمتی کتاب ہے۔

---

[1] شرفائے حیدرآباد کے ایک قدیم خاندان کے نعت گو شاعر تھے، اردو فارسی اور ہندی میں خاصہ کلام چھوڑا ہے مگر شائع نہ ہو سکا۔ [2] حضرت کی تصانیف میں حضرت مولانا تھانوی کے مواعظ و ملفوظات سے حکایات اور بعض نکات بھی لفظاً لفظاً نقل شدہ ملتے ہیں مگر حوالہ درج نہیں ملتا۔ اسکی دو وجوہ ذہن میں آتی ہیں ایک تو یہ کہ حضرتؒ کی جدید لوازم تصنیف پر نظر نہ تھی، دوسرے یہ کہ حیدرآباد کے ماحول میں حضرت مولانا تھانوی کا نام لیکر بات نقل کرنے میں فائدہ تصور نہ فرماتے ہوں گے۔

۴۔ مواعظ حسنہ :۔ میرے تایا صاحب حضرت غلام جیلانی مدظلہٗ اور صاحب ملفوظات کے داماد مولوی سید عبدالرؤف صاحب مسافر نے حضرت شیخ کی زبان سے سنے ہوئے اور برسوں میں جمع شدہ ملفوظات کو جمع کر کے بہت سلیقہ سے مرتب کیا ہے اور مواعظ حسنہ کے نام سے شائع کیا ہے، یہ ملفوظات حضرت شیخ کی تعلیمات، عقائد اور ذوق کے حقیقی ترجمان ہیں اور ہر طالب تقویٰ کیلئے بہت مفید و موثر ہیں ۔ کاش حضرت شیخ کے منتسبین زجاجۃ المصابیح اور ان ملفوظات کو اپنا معیار نگاہ بنالیں تو بہت سی بدعات اور رسوم سے ان کو خلاصی میسر آئے۔

۵۔ کتاب المحبت :۔ محبت کی حقیقت اور معالجانہ افادیت سمجھنے شعلہ محبت کو دل میں بھڑکانے اور روح میں سوز و گداز کے پیدا کرنے میں بہت موثر رسالہ ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ جامع سلاسل شیخ نے یہ رسالہ نسبت چشتیہ کے وفور و غلبہ میں لکھا ہے کیونکہ اس کا رنگ ہی اور ہے اور وہی ہے جو حضرات چشتیہ کا طغرائے امتیاز ہے ؎

عشق اول عشق آخر عشق کل　　عشق بادہ عشق ساغر عشق مل

۶۔ معراج نامہ :۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سیر معراج کی تفصیلات اس رسالہ میں درج فرمائی ہیں۔

۷۔ قیامت نامہ :۔ قیامت کی ہولناکی اور ہم لوگوں کی اس سے قیامت کی غفلت پر موثر تنبیہات اس رسالہ میں آگئی ہیں۔

۸۔ میلاد نامہ :۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کی تفصیلات لکھی گئی ہیں مگر محدثانہ معیار پر نہیں۔

ذاتی تاثرات :۔ حضرت اقدسؒ ایک جلیل القدر محدث تھے مگر ان کی شان معرفت اور مقام زہد و تقویٰ اس سے بھی بلند تر تھا، ان سے لوگوں نے فیض علمی بھی پایا مگر مسند ارشاد کے تو حضرت قطب تھے، ان کی ولایت اسقدر عیاں تھی کہ اس پر دلیل کا طلب کرنا محض اپنی بے بصری کو بے نقاب کرنا تھا، وہ اس شان کے بزرگ تھے کہ ملت اسلامیہ میں ایسی ہستیاں ہر دور میں خال خال ہی پیدا ہوتی ہیں اور جب اس دنیا سے رخصت ہوتی ہیں تو عالم روحانی میں ایک عظیم خلا پیدا ہو گیا ہے۔ آخری بار ۱۹۶۱ء کے وسط میں احقر کو جب حضرت کی زیارت کا شرف ملا تو یوں محسوس ہوا کہ اب نسبت قادریہ ہر نسبت پر غالب آگئی ہے، واللہ اعلم۔

ریاست حیدرآباد کی سیاسی موت اگست ۱۹۴۴ء میں نواب بہادر یار جنگ مرحوم کی شہادت پر واقع ہو چکی تھی، اس کا ظاہری ڈھانچہ ستمبر ۱۹۴۸ء میں بھارتی یلغار سے ٹوٹ پھوٹ گیا اور بلاشبہ اس کا روحانی امتیاز حضرت مولانا شاہ ابوالحسنات سید عبداللہ قدس سرہٗ کی رحلت پر ختم ہو گیا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

جناب مولانا محمد فرید صاحب مفتیٔ دار العلوم حقانیہ

چاند تک انسان کی رسائی

چند شبہات کا ازالہ

چاند تک انسان کی رسائی کے بارہ میں دار الافتاء اور دفتر الحق میں بیشمار خطوط موصول ہو رہے ہیں۔ اس مسئلہ پر اگست اور جولائی ۱۹۶۹ء کے شمارہ میں مفصل روشنی ڈالی گئی ہے۔ بعض خطوط میں بعض حضرات نے اپنے شبہات پیش کئے ہیں، دار العلوم کے دار الافتاء نے حسب ذیل مضمون میں ان کے ازالہ کی کوشش کی ہے۔ —— ادارہ ——

★

(الف) اولاً چند بنیادی باتیں عرض ہیں۔ واضح رہے کہ تمام اہل اسلام کا اجماعی عقیدہ ہے کہ اس سارے عالم کا بنانے والا صرف اللہ ہی ہے اور وہ اس عالم کے تمام ذرات اور تمام ان قوتوں سے جو کہ عالم میں ودیعت کئے گئے ہیں بخوبی عالم اور واقف ہے، پس جو حقائق اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ بیان کئے ہیں ان میں غلطی ناممکن ہے، یہی وجہ ہے کہ سائنس اور وحی میں اگر تصادم محسوس ہو تو یہ فیصلہ کیا جائے گا کہ سائنسدانوں نے پوری تحقیق نہیں کی ہے ورنہ ان کی صحیح تحقیقات وحی سے کبھی متصادم نہ ہوتیں، کیونکہ وحی اور صحیح سائنس (جو واقعات پر مبنی ہو) میں مخالفت اور تصادم ناممکن ہے۔

(ب) اللہ تعالیٰ نے وحی اس مقصد کیلئے نازل کی ہے کہ انسان کو تعلق مع اللہ کے حصول کے طریقے معلوم ہوں اور مرضیات الٰہیہ غیر مرضیات سے ممتاز ہوں۔ وحی الٰہی کا مقصد اسلحہ سازی اور کارخانہ سازی نہیں ہے اور نہ قرآن تاریخ یا جغرافیہ کا صحیفہ ہے، ان مقاصد کی تحصیل کے لئے نعمت خداداد یعنی عقل کا استعمال ضرورت کے وقت کافی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وحی میں ایسے حقائق کی طرف کوئی تعرض نہیں کیا جاتا ہے جن کا نزول وحی کے مقصد کے ساتھ کوئی خاص تعلق نہ ہو۔

(ج) عقلیات اور اسرائیلیات کے ساتھ اسلامی رویہ یہی چلا آیا ہے کہ ان میں سے جو امور وحی سے مخالف ہوں ان کی تکذیب کی جائے گی۔ اور جو مخالف نہ ہوں تو وہ دو قسم ہیں ایک

یہ کہ مشاہدہ یا دلیل سے ان کا ثبوت ہوا ہو تو ان کی تصدیق کی جائے گی، دوسرا یہ کہ مشاہدہ یا دلیل سے ان کا ثبوت نہ ہوا ہو تو ان کی نہ تصدیق کی جائے گی اور نہ تکذیب۔

(د) قرآن اور حدیث سے یہ حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ کفار آسمان میں داخل نہیں ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لا تفتح لھم ابواب السماء۔ مکذبین اور کفار کے لئے (ان کے اعمال اور ارواح اور اجساد کیلئے) آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے۔ (سورۃ اعراف۔ ع ۵) لیکن آسمان تک جانے سے ممنوع نہیں ہیں، اور نہ آسمان تک جانا مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ (دمن ادعی فعلیہ البیان) بلکہ شیاطین اور جنات تک کا آسمان تک چڑھنا اور آسمان کو چھونا نصِ قرآن سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وانا لمسنا السماء فوجدناھا ملئت حرساً شدیداً وشھبا۔ (سورہ جن)۔ لہذا جو اشیاء آسمان سے نیچے ہیں، کفار کیلئے ان پر چڑھنا ممنوع نہیں ہے، اور مسلمانوں کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔

(ھ) چاند کے متعلق حکماء یونان (سابق سائنسدان) کا خیال اور عقیدہ تھا کہ چاند پہلے آسمان کے ثخن میں مرکوز ہے اور بہت سے اہل اسلام ان سے موافقت کرتے تھے اس بناء پر کہ یہ عقیدہ نصوص سے متعارض نہیں تھا، اس لئے کہ قرآن وحدیث میں چاند کے متعلق صاف طور پر نہیں کہا گیا تھا، کہ چاند آسمان کے ثخن میں مرکوز ہے اور نہ یہ کہا گیا ہے کہ چاند آسمان و زمین کے درمیان فضاء میں ہے، کیونکہ قرآن کے مقصدِ نزول کا اس سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ بیشک قرآنِ مجید میں چاند کے متعلق "فی" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وجعل فیھا سراجا وقمرا منیرا وقال تعالیٰ جعل القمر فیھن نوراً وقال تعالیٰ کل فی فلک یسبحون۔ مگر کلمہ "فی" کا مدلول ظرفیت ہے نہ کہ مرکوزیت یعنی "فی" کا مدلول یہ ہے کہ اس کا مدخول کسی چیز کے لئے زمان یا مکان ہوگا۔ اور یہ معنی نہیں ہے کہ اس کے مدخول میں کوئی چیز مرکوز ہوگا۔ زید فی الدار، فی المسجد، فی السوق، فی الجنۃ سے یہ مراد نہیں ہے کہ زید ان اشیاء میں مرکوز ہے (وھذا امر لا یخفی علی من تفکر فی الاستعمال) نہ یہ لغت کا تقاضا ہے، نہ عرف کا۔ اور مزید برآں یہ کہ ظرفیت سے ہمیشہ کے لئے یہ مراد نہیں ہوتا ہے کہ کلمہ "فی" کا مدخول نفس الامر اور حقیقت میں ظرف ہوگا، بلکہ بسا اوقات اس سے مراد بادی اور ظاہری نظر میں ظرفیت ہوتی ہے، خصوصاً ایسے مقام میں جبکہ عام اذہان کیلئے حقیقت کے سمجھنے میں مشکلات پیش ہونے کا خطرہ ہو۔ اور یہ معنی بھی فصیح اور بلیغ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وجدھا تغرب فی عین حمئۃ۔ (ذوالقرنین نے سورج کو ایک گدلے

تالاب میں ڈوبتے پایا) اس کا مقصد بھی یہی ظاہری نظر میں آنا ہے نہ کہ حقیقت میں ایسا تھا۔ تو اس تحقیق کی بناء پر یہ گنجائش بھی نکلی کہ چاند کا "فی السماء" ہونا بادی اور ظاہری نظر میں ہو۔

(۵) یہاں یہ بھی ذہن نشین کرنا ضروری ہے کہ فلک اور سماء بعض مفسرین کے نزدیک ایک چیز کے نام ہیں۔ لیکن تحقیق یہ ہے کہ فلک مدار کو کہا جاتا ہے نہ کہ آسمان کو۔ (قال العلامۃ الآلوسی فی تفسیرہ ج ۱۷ ص ۴۰) والفلک فی الاصل کل شیء دائر ومنہ فلکۃ المغزل والمراد بہ ھنا علی ماروی عن ابن عباس والسدی رضی اللہ تعالیٰ عنہم السماء وقال اکثر المفسرین ھو موج مکفوف تحت السماء یجری فیہ الشمس والقمر وقال الضحاک ھو لیس بجسم وانما ھو مدار ھذہ النجوم۔ انتھی۔

اور حضرت تھانویؒ بیان القرآن میں فرماتے ہیں: فلک گول چیز کو کہتے ہیں۔ چونکہ شمس و قمر کی حرکت مستدیر ہے اس لئے اس کے مدار کو فلک فرما دیا۔ خواہ وہ آسمان ہو یا فضاء بین السمائین ہو یا فضاء بین الارض والسماء ہو یا ثخن سماء ہو کوئی نص اس میں قطعی نہیں اور سلف سے تفسیریں مختلف منقول ہیں۔ کما فی الدر المنثور۔ اس لئے اسکو مبہم ہی رکھنا اقرب الی الاحتیاط ہے۔ (سورۃ انبیاء ع ۳)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ فلک اور سماء الگ الگ چیزیں ہیں۔ نیز اسکی بھی تائید ہوئی کہ شمس و قمر آسمان کے ثخن میں یقینی طور پر مرکوز نہیں ہیں۔

(۶) نجوم (تاروں) کے متعلق علامہ آلوسی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت فرماتے ہیں: ان النجوم قنادیل معلقۃ بین السماء والارض بسلاسل من نور بایدی ملائکۃ من نور۔ (ص ۵۰ ج ۳۰) یعنی ستارے آسمان اور زمین کے درمیان ہیں اور آسمان کے ثخن میں مرکوز نہیں ہیں۔

اور فرماتے ہیں: لم یقم دلیل علی ان شیئا من الکواکب مغروز فی شیء من السموات کالفص فی الخاتم۔ (ص ۵۷ ج ۲۹) حالانکہ ان کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: تبارک الذی جعل فی السماء بروجاً۔ اور بروج سے مراد نجوم اور تارے ہیں۔ (فی التحقیق وھو منقول عن السلف) اور فرماتے ہیں: انا زینا السماء الدنیا بمصابیح　تو جس طرح نجوم کے متعلق کلمہ "فی" استعمال ہوا۔ اور ان کو زینت سماء کہا گیا ہے اور باوجود اس کے یہ آسمان میں مرکوز نہیں بلکہ بادی اور ظاہری نظر پر اکتفاء کیا گیا ہے۔ اسی طرح چاند کے متعلق بھی کہا جائے گا۔ بلکہ جب یہ تسلیم کیا جائے کہ زمین گول اور آسمان بھی گول ہیں، تو اسی تقدیر پر چاند اور سورج بلکہ زمین تمام کے تمام پر یہ اطلاق بلا ریب صحیح ہے کہ یہ چیزیں آسمان اور آسمانوں میں ہیں۔

اس تمہید کے بعد یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ مسلمانوں کے لئے چاند اور سورج بلکہ آسمان پر

اترنا ممکن ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا آسمانوں کیطرف مافوق الاسباب چڑھنا اس امکان کی واضح دلیل ہے، کیونکہ اس حکم کا انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہونے پر کوئی دلیل قائم نہیں۔ بیشک امریکہ وغیرہ کے کفار کے لئے ناممکن ہے کہ آسمان میں داخل ہو جائیں، لیکن جو چیزیں آسمان سے نیچے ہیں اُن پر اترنا کفار کیلئے ممنوع اور ناممکن نہیں ہے۔ پس اگر چاند آسمان سے نیچے ہو جیساکہ یہ اکثر مفسرین کی رائے ہے تو کفار کے لئے اس پر اترنے میں کوئی استحالہ نہیں ہے۔ باقی رہا امریکہ کا دعویٰ کہ اُس نے چاند پر انسان اتارا ہے۔ تو اس کے تسلیم کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ ایسے دعووں کا وحی کے ساتھ کوئی تصادم نہیں ہے۔

۲۔ آلات اور رصدگاہوں کے ذریعہ سے اس کا مشاہدہ ہوا ہے۔

۳۔ روس وغیرہ جو کہ امریکہ کے مخالف ہیں، انہوں نے بھی اسے تسلیم کیا ہے۔

۴۔ نیز شریعت میں کفار کے دنیوی اخبارات پر اعتماد جائز ہے، بلکہ اس میں دینی مصالح بھی موجود ہیں، خصوصاً رفع عیسیٰ ؑ اور معراج کا ذہن نشین ہونا اور کفار پر اتمام حجت ہونا اور انکار کی صورت میں قرآن کی تکذیب کا خطرہ ہے، خصوصاً جبکہ عام سروس شروع ہو جائے لہذا اس کو تسلیم کرنے میں کوئی خطرہ نہیں ہے۔ البتہ حکمت یونانی کو سخت صدمہ پہنچا کیونکہ اس کا یہ اعتقاد کہ چاند آسمان کے ثخن میں مرکوز ہے، غلط ثابت ہو گیا۔

چند شبہات کا ازالہ ۱۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ولکم فی الارض مستقر۔ (تمہارے لئے زمین میں ٹھکانا ہے) اس سے یہ مراد نہیں کہ انسان علویات پر نہیں اتر سکتا ہے، ورنہ عیسیٰ علیہ السلام وغیرہ کسطرح آسمان پر ٹھکانا رکھتے ہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ عام طور پر انسان زمین پر ٹھکانا رکھے گا، کیونکہ دنیوی زندگی کی ضروریات کا یہاں انتظام ہوا ہے، لہذا یہ ممکن ہے کہ بعض افراد (مافوق الاسباب یا ماتحت الاسباب) خلافِ عادت علویات پر اتر جائیں۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وفیھا نعیدکم۔ (اس زمین میں تم کو لوٹا دیں گے۔) اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا ہے کہ انسان خلائی پرواز نہیں کر سکتا بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ انسان کسی نہ کسی وقت ضرور زمین کو لوٹایا جائیگا، خواہ موت کیساتھ متصل ہو یا حشر سے پہلے ہو۔

۳۔ وحفظناھا من کل شیطان رجیم۔ (محفوظ رکھا ہم نے اس کو ہر شیطان مردود سے) تو اس سے مراد لمس اور آسمان تک چڑھنے سے حفاظت نہیں ہے بلکہ اس سے مراد آسمان کے حالات سے خبرداری سے حفاظت ہے یا آسمان کے باشندوں کے اختلاط سے (صرح بہ الآلوسی فی تفسیر ص ۲۳۔ ج ۱۴)

۴۔ شہاب ثاقب کا حملہ اسوقت ہوتا ہے جبکہ شیاطین استماع لگتے ہیں۔ قال اللہ تعالیٰ فمن یستمع الآن یجد لہ شہابا رصدا۔ اور قرآن حکیم سے یہ معلوم نہیں کہ صرف چڑھنے سے یہ حملہ شروع ہوتا ہے۔ لہذا کفار کی آسمان تک رسائی میں کوئی اشکال نہیں ہے۔

احوال و کوائف دار العلوم

(ناظم دفتر اہتمام)

مجلس شوریٰ کا جلسہ | دارالعلوم حقانیہ کی مجلس شوریٰ کا سالانہ اجلاس ۱۲؍ستمبر کو مولانا میاں مسرت شاہ صاحب کاکاخیل کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں دور دراز سے دارالعلوم کے ارکان شوریٰ نے بھاری تعداد میں شمولیت کی اجلاس کا آغاز ممتاز قراء کی تلاوت سے ہوا جس کے بعد حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مہتمم وبانی دارالعلوم نے سال گذشتہ کے حسابات آمد وخرچ اور منظور شدہ میزانیہ کے تفاوت نیز دارالعلوم کے تمام تعلیمی اور انتظامی شعبوں کی کارگذاری پر مفصل روشنی ڈالی، انہوں نے فرمایا کہ مجلس شوریٰ نے سال ۱۳۸۸ھ کیلئے ایک لاکھ نوے ہزار تین سو پچانوے کی منظوری دی تھی مگر بعض منصوبے زیر عمل نہ آسکنے کی وجہ سے پچھلے سال ۱۳۸۸ھ دارالعلوم کے مختلف شعبوں پر ایک لاکھ ستاون ہزار چھہتر روپے پچاس پیسے خرچ ہوئے اور آمدنی ایک لاکھ نوے ہزار پانچسو ستاسٹھ روپے اکیاسی پیسے ہوئی

سال رواں ۱۳۸۹ھ کے لئے آپ نے ۲ لاکھ ۵ ہزار ایک سو پچیس روپے کا میزانیہ پیش کیا جس میں ۳۰؍ذی الحجہ ۱۳۸۸ھ کو موجودہ فنڈ کی رو سے اگرچہ میزانیہ میں ساٹھ ہزار چھ سو اکہتر روپے ترانوے پیسے کا خسارہ ہے، مگر مجلس شوریٰ نے حسب سابق خداوند کریم کے فضل وکرم اور متوقع آمدنی کے پیش نظر بجٹ کی منظوری دیدی حضرت شیخ الحدیث نے آئندہ عزائم اور ضروریات کے ضمن میں دارالعلوم کے نصاب اور نظام تعلیم مختلف تعمیراتی ضروریات ایک دارالتربیت کے قیام ماہنامہ الحق کے ترقیاتی پروگرام شعبہ قرارت وحفظ اور دارالصنائع کے قیام وغیرہ پر روشنی ڈالی جس کی تکمیل کیلئے خطیر اخراجات مہیا کرنے کے لئے ملک وملت کے دردمند حضرات کو توجہ دلائی گئی، بجٹ پر بحث میں اکثر ارکان نے آزادانہ حصہ لیا۔ مولانا مسرت شاہ کاکاخیل، الحاج شیر افضل خان آف بدرشی، سید تاج میر شاہ صاحب چیمبر آف کامرس پشاور، جناب الحاج مکاتی صاحب نوشہرہ، جناب عبدالخالق صاحب خلیق پشاور، قاری محمد امین صاحب راولپنڈی، اور دیگر حضرات نے دارالعلوم کی شبانہ روز ترقی پر نہایت اطمینان کا اظہار کیا۔ چیمبر آف کامرس کے صدر جناب سید تاج میر شاہ صاحب نے تقریر کرتے ہوئے کہا دارالعلوم کی تفصیلی کارگذاری دیکھ کر میں محو حیرت ہوں اور وعدہ خداوندی کا ظہور دیکھ کر مجھے یقین ہو رہا ہے کہ دین کی حفاظت بوریہ نشینوں ہی سے ہو سکتی ہے۔ مادی علوم وفنون اور اقتصادیات کے ماہرین سے نہیں۔ مجھے آج اس اجلاس میں ایک روحانی مسرت ہو رہی ہے،

جو زندگی بھر نصیب نہیں ہوئی ، انہوں نے ملک کے تمام اہل خیر کو توجہ دلائی کہ وہ دارالعلوم کے تمام منصوبوں میں بھرپور حصہ لیں اور اس کارخانۂ علوم نبویہ کو زیادہ سے زیادہ خدمات کا موقع عطا فرما دیں۔
اجلاس میں شرکت کرنے والے حضرات میں سے چند کے نام یہ ہیں :

الحاج مولانا مسرت شاہ کاکاخیل ، جناب میاں اکرم شاہ کاکاخیل ، میاں مراد گل صاحب کاکاخیل ، قاری محمد امین صاحب ، قاری سعید الرحمان صاحب خطیب راولپنڈی ، مولانا قاضی عبدالسلام صاحب ، حکیم جمال الدین صاحب ، کرنل عثمان شاہ صاحب نوشہرہ صدر ، جناب خان شیر افضل خان آف بدرشی ، جناب سید تاج میر شاہ صاحب پشاور ، جناب عبدالغفار سکاتی صاحب امان گڑھ ، جناب عبدالخالق صاحب خلیق ، جناب مولانا محمد یوسف قریشی پشاور ، مولانا عبدالحنان صاحب جہانگیرہ ، حاجی عبدالجبار صاحب ، ڈاکٹر صاحب شاہ صاحب ، مولانا مجاہد خان ، حضرت جمال صاحب ، جناب ستقر صاحب ، مولانا شاہ سید صاحب اور مقامی مجلس منتظمہ۔
۲ بجے حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ کے کلمات تشکر و دعا پر اجلاس اختتام پذیر ہوا۔

علماء مشرقی پاکستان کی آمد | ۳۰ ستمبر کو حضرت شیخ الحدیث مدظلہ سے ملاقات اور حالات حاضرہ پر تبادلۂ خیالات اور دارالعلوم دیکھنے کے لئے مشرقی پاکستان جمعیۃ العلماء اسلام سے تعلق رکھنے والے حضرات علماء کی ایک جماعت دارالعلوم تشریف لائی جس میں مولانا پیر محسن الدین احمد صاحب زنگپور، امیر جمعیۃ العلماء اسلام مولانا ابوالحسن صاحب جسیری نائب صدر۔ مولانا محی الدین خان ایڈیٹر مدینہ و نیا زمانہ ڈھاکہ ، مولانا ذاکر احمد صاحب خطیب شاہی مسجد چاٹگام ، مولانا شوکت علی صاحب کھلنا۔ مولانا عبدالجبار صاحب ناظم جمعیۃ ڈھاکہ شامل تھے۔ دارالعلوم کا معائنہ فرما کر آپ سب حضرات نے نہایت مسرت اور خوشی کا اظہار کیا۔ عصر سے قبل دارالعلوم کے دارالحدیث میں طلبہ سے علم کی اہمیت اور فضیلت پر مختصراً کئی حضرات نے روشنی ڈالی۔ جناب پیر محسن الدین صاحب نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ علم وہ ہے جو اللہ کے ہاں محبوب ہے جو اللہ کو پہچاننے اور اخلاق سنوارنے کا ذریعہ ہو۔ اور وہ علم جسکو آج کی دنیا سیکھ رہی ہے اس سے انسان کو انسان بننے کا راستہ بھی نہیں ملتا۔ یہاں کے علم نبوت سے آپ کو اخلاق کی تربیت خلق خدا کی اصلاح اور رسول کریم کے اتباع جیسی دولت میسر ہوگی ، یہ وہ علم ہے جس کے اللہ کے ہاں بہت بلند درجات ہیں۔ آپ نے فرمایا یہاں حاضر ہو کر دل کو تسکین حاصل ہوئی۔ نظم ونسق کے علاوہ روحانی قدر و قیمت بھی یہاں موجود ہے۔ مولانا ابوالحسن صاحب

نے فرمایا کہ حضرت شیخ الحدیث میرے زمانۂ دیوبند کے شفیق استاد ہیں، یہی شوق مجھے کشاں کشاں یہاں تک لے آیا ہے۔ اور آج دار العلوم دیکھ کر میری روح میں تروتازگی پیدا ہوئی ہے اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ مدنی فیوضات کا ایک منبع ہے، علم کی فضیلت بیان کرتے ہوئے آپ نے فرمایا: حضور اقدسؐ نے علم کی تقسیم کی ہے ایک وہ جو دل میں اترے صرف زبان تک نہ رہے وہ علم نافع ہے آگے اسکی ٹہنیاں نکلیں گی اور تمام اعضاء پر محیط ہوگا، مشرقی پاکستان کے پُرجوش ملّی و قومی کارکن اور صحافی مولانا محی الدین خان ایڈیٹر نیا زمانہ نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ یہ دار العلوم دیوبند کا پاکستانی ایڈیشن ہے، اس کے یہاں کا فیض دور دراز تک پھیل رہا ہے، اور حضرت شیخ الحدیث کے بیشمار تلامذہ کے لحاظ سے بنگال بھی اس سے فیضیاب ہو رہا ہے۔ یہ مقام ہمارا روحانی مرکز اور اس کا ترجمان الحق ہمارے فکری محاذ کا رہبر اور رہنما ہے، آپ نے فرمایا جب صدر ایوب نے قرآن پر فضل الرحمٰن کے ذریعہ دست درازی کی اور الحق نے علم جہاد اٹھا کر ۲۲ نکاتی چارج شیٹ شائع کیا تو مشرقی پاکستان میں اس سے آگ لگ گئی، علماء کرام نے اس کا ترجمہ کرکے لاکھوں تعداد میں گھر گھر پہنچایا اور بالآخر اس وقت کی حکومت نے شکست کھا کر سر تسلیم خم کیا، ایک چھوٹے سے قصبہ کے بے بضاعت علمی پرچہ کے ذریعہ اتنا بڑا کام اللہ کا فضل ہے جسے آئندہ تاریخ یاد رکھے گی۔ آپ نے فرمایا سید احمد شہیدؒ نے اکوڑہ خٹک سے علم جہاد بلند کیا تھا جو غداری کی وجہ سے بالاکوٹ میں ختم ہوا مگر یہ وہی شخص ہے جس نے سرزمین ہزارہ سے اٹھے ہوئے ایک شخص کے دین میں تحریفی کوششوں کا بھرپور تعاقب کیا ـــ اللہ تعالیٰ اسے مزید توفیق دے۔
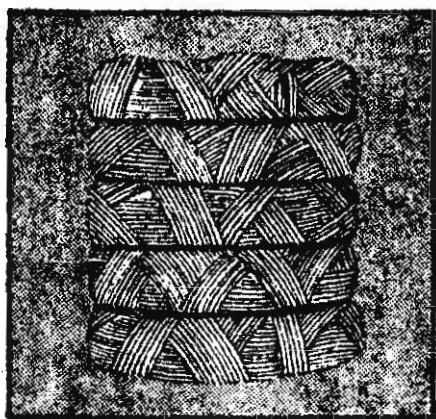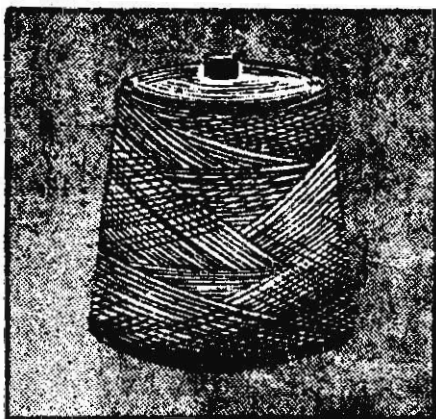
فوّارہ مارکہ
اصل قسم کا
سُوتی دھاگہ
سنگل اور فولڈڈ
۱۰ کاؤنٹ سے ۴۰ کاؤنٹ تک
ہینکس کے علاوہ کونز پر بھی دستیاب ہے
FOUNTAIN
BRAND
فوارہ مارکہ
تیار کنندگان:
ڈی۔ایم۔ٹیکسٹائل مِلز لمیٹڈ
رجسٹرڈ آفس: ۱۱۹ ۔ کاٹن ایکسچینج بلڈنگ ۔ پوسٹ بکس نمبر ۴۶۱۷ ۔ کراچی
تار کا پتہ: DOSTCOT ۔ فون ۔ ۲۲۱۳۴۰ ۔ ۲۲۳۹۱۳